ماہنامہ

اشراق

لاہور

اپریل ۲۰۱۸ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

”خدا کے پیغمبر تذکیر و نصیحت کے لیے آتے ہیں، اُنھیں لوگوں کے لیے داروغہ بنا کر نہیں بھیجا جاتا۔ اُن کی ذمہ داری اِس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ لوگوں کو اُن کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیں۔ پھر یہ لوگوں کا کام ہے کہ اُس سے یاددہانی حاصل کر کے فوز و فلاح سے ہم کنار ہوں یا اُسے جھٹلا کر جہنم کا ایندھن بن جائیں۔“

—— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو رفیق کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ
اشراق
لاہور
جلد۳۰ شمارہ۴ اپریل۲۰۱۸ء رجب المرجب/شعبان المعظم۱۴۳۹ھ

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

فی شمارہ 30روپے
سالانہ 300روپے
رجسٹرڈ 700روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)
بیرون ملک
سالانہ 30ڈالر

فہرست

شذرات
اسلاف کے کام کے بارے میں صحیح علمی رویہ: غامدی صاحب کی ایک گفتگو کا خلاصہ — سید منظور الحسن — ۴

قرآنیات
البیان: طٰہٰ ۲۰: ۱-۸۲ (۱) — جاوید احمد غامدی — ۸

معارف نبوی
اتمام حجت اور عذاب (۳) — جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس — ۱۲
فرشتے، تصاویر اور کتا — جاوید احمد غامدی / محمد عامر گزدر — ۲۲

سیر و سوانح
ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (۴) — محمد وسیم اختر مفتی — ۴۷

مقالات
قرآن میں تقویتِ دلالت کا اضافی اہتمام — ساجد حمید — ۵۷

نقطۂ نظر
کیسے اللہ والے ہیں یہ اے خدا! — ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی — ۷۵

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

شذرات

سید منظور الحسن

اسلاف کے کام کے بارے میں صحیح علمی رویہ

غامدی صاحب کی ایک گفتگو کا خلاصہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

[امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''الرسالہ'' کی تدریس کے دوران میں ایک بحث کے ضمن میں میں نے استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جو بات مجھ جیسے ادنیٰ طالب کی سمجھ میں آ گئی ہے، وہ امام شافعی جیسے امام الائمہ پر واضح نہیں ہو سکی؟ اس کے جواب میں استاذ گرامی نے جو گفتگو فرمائی، وہ دین کے طالب علموں کے لیے مشعل راہ ہے۔ اس کے چند نکات افادۂ عام کے لیے پیش خدمت ہیں۔]

۱۔ جو بات ہماری سمجھ میں آ گئی ہے، وہ ہمارے اسلاف کی سمجھ میں کیوں نہیں آ سکی؟ یہ سوال ایک بہت بڑا مغالطہ ہے، بلکہ علمی دائرے کا گناہ ہے۔ اس طرح سوچنے سے علم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ جب آپ کسی صاحب علم کو پڑھیں تو سارا زور اُس کی بات، اُس کی پوزیشن اور اُس کی جگہ کو سمجھنے میں لگائیں۔ اُس کی بات کو اُسی کے زاویۂ نظر سے اور اُسی کے انداز فکر کے مطابق پڑھنا چاہیے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اس کو اپنے زاویۂ نظر سے پڑھنے لگیں۔ جب کوئی شخص اپنے زاویۂ نظر سے کسی صاحب علم کی تحریر کو پڑھتا ہے تو یہ درحقیقت تنقید ہوتی ہے جو نہ صرف

خود اُس کے لیے اُس صاحب علم کا موقف سمجھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے، بلکہ اگر وہ اسی ذہن کے ساتھ اُس تنقید کو بیان کر دے تو وہ دوسروں کے لیے بھی مغالطے کا باعث بن جاتی ہے۔ اس طریقے میں تنقید کی صورت یہ نہیں ہوتی کہ مثلاً امام شافعی نے جس آیت کا حوالہ دیا ہے، اس کا مطلب انھوں نے ٹھیک نہیں سمجھا، بلکہ یہ ہوتی ہے کہ چونکہ میں اس کا مطلب بالکل ٹھیک سمجھتا ہوں ہے، اس لیے امام شافعی کی بات غلط ہے۔ چنانچہ یہ تربیت ضروری ہے کہ آپ اصحاب علم کے موقف کو ویسے سمجھیں جیسے کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا پہلا مرحلہ یہ نہیں ہے کہ آپ کسی صاحب علم کی غلطی کو سمجھنے کی کوشش کریں، بلکہ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ آپ اُس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

۲۔ یہ علماے سابق کے کندھے ہوتے ہیں جن پر کھڑے ہو کر بعض اوقات ہماری نظر اُن سے آگے چلی جاتی ہے۔ یہ اگر میسر نہ ہوں تو علم کا سفر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ارسطو اگر بنیاد فراہم نہ کرتا تو نیوٹن کے پیدا ہونے کی کوئی گنجایش نہ ہوتی۔ اگر آپ ماضی کے سائنسی علم کے اچھے شناور نہیں ہیں تو آپ وہیں جائیں گے جہاں سے ارسطو نے آغاز کیا تھا۔ انسان اصل میں اپنی تاریخ کے ذریعے سے آگے بڑھتا ہے، کیونکہ کسی بھی آدمی کو اللہ نے دو ہزار سال کی عمر نہیں دی ہوتی۔ خدا نے انسان کے اندر علم کے پوٹینشل کا ظہور مجرد اور مطلق طور پر نہیں رکھا، بلکہ اصول میں رکھا ہے۔ وہ جو شکل بھی اختیار کرتا ہے، خارج کے علم کے ساتھ مل کر اختیار کرتا ہے اور خارج میں محض مشاہدہ نہیں ہوتا، بلکہ علم کی تاریخ بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے میں آپ لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ بھئی، اگر آپ نے کوئی اشتہار بنانا ہے تو نئے سرے سے کیوں بناتے ہیں، پہلے یہ دیکھیں کہ سابقہ لوگ کیا بنا چکے ہیں۔ اس میں آپ اضافہ کریں گے تو آگے بڑھیں گے، ورنہ وہاں کھڑے ہوں گے جہاں دنیا میں پہلا اشتہار بنانے والا کھڑا تھا۔

۳۔ انسان کے علمی سفر کو اگر سمجھنا چاہیں تو کبھی بچوں کی چھوٹی گاڑی کو دیکھیں۔ جب وہ دیوار یا میز سے ٹکرا جاتی ہے تو بچہ اسے اٹھا کر پھر وہیں رکھ دیتا ہے جہاں سے اس نے چلنا شروع کیا تھا۔ علم کا سفر ایسا ہی ہے۔ ایک صاحب کو اضطراری علم کے بارے میں سمجھاتے ہوئے میں نے یہی مثال دی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ وہ پوٹینشل جو اس گاڑی کے اندر موجود ہے، وہ اضطراری علم ہے۔ یہ گاڑی خارج میں اپنا سفر شروع کرتی ہے، ہوسکتا ہے کہ جب آپ اسے چلائیں تو سیدھی چلتی جائے اور ہوسکتا ہے کہ اگلے ہی لمحے کسی چیز سے ٹکرا کر رک جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ٹکرانے کے بعد پیچھے کی طرف مڑ جائے اور الٹی سمت میں چلنے لگے۔

۴۔ ماضی کا جائزہ حاضر میں کھڑے ہو کر کبھی صحیح طریقے سے نہیں لیا جا سکتا۔ میں جس دور کے علم کو پڑھتا ہوں تو اس دور کے اندر رکھ کر اس کو دیکھتا ہوں۔ ساری زندگی کی یہی ٹریننگ ہے، کیونکہ کوئی انسان بھی ایسا نہیں ہے جو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

زمانے سے بالاتر ہو کر بات کر سکے۔قرآن مجید کی جس چیز نے میرے دماغ کو شکست دی، وہ اس کا زمانے سے بالاتر ہونا تھا۔

۵۔ بے رحمانہ analysis کی یہی صلاحیت ہے جو بعض اوقات انسان کے لیے شیطنت بن جاتی ہے۔اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔آپ اکثر دیکھتے ہیں کہ analysis کی غیر معمولی صلاحیت رکھنے والے اذہان صریح حقائق کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔اس لیے analysis کی اس دو دھاری تلوار کو پوری طرح قابو میں رکھ کر استعمال کرنا چاہیے۔

۶۔ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ یہ جو ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم نے آخری حق دریافت کر لیا ہے، تو وہ قیامت تک آخری نہیں ہو سکتا، کیونکہ کوئی بھی آنے والا ہماری غلطی واضح کر سکتا ہے۔اس کے بارے میں کسی ابرام اور اصرار کا طریقہ نہیں ہونا چاہیے۔اس چیز کو مان کر ہی جینا چاہیے کہ ہم نے اپنی دیانت داری سے ایک بات سمجھی ہے، پورا یقین ہے کہ ہم ٹھیک نتیجے پر ہیں، لیکن ہم اس میں غلطی کا امکان بھی تسلیم کرتے ہیں۔اگر آپ اس جگہ پر نہیں کھڑے ہوتے تو پھر کوئی آپ سے بات ہی نہیں کر سکتا اور آپ جمود کا شکار ہو جاتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۷۔ یہاں یہ واضح رہے کہ کسی کی بات کو اس کے زاویے سے سمجھنے، اس کے فکر کو اس کے زمانے کے اندر رکھ کر دیکھنے کا یا اس کی الجھنوں کا تعین کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ آپ مرعوبیت میں مبتلا ہو جائیں۔میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ مرعوب ہو کے بیٹھ جائیں، میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ سادہ ہو جائیں۔میری زندگی کو آپ نے دیکھا ہے، جس شخص کے سامنے میں اپنے آپ کو بالکل پست محسوس کرتا ہوں، وہ میرا استاد ہے، لیکن مرعوب میں ان سے بھی نہیں ہوتا۔

۸۔امام شافعی ابتدا کرنے والے ہیں، ان کے پس منظر میں کچھ نہیں ہے، اس لحاظ سے آپ دیکھیں گے تو وہ آپ کو عظمت کے اس مقام پر کھڑے نظر آئیں گے جس میں ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ہم ان کے نقوش قدم کے آگے کھڑے ہیں۔یہ صرف مذہب میں نہیں ہے کہ آپ اسے عقیدت مندی پر محمول کریں، ہر علم کا یہی معاملہ ہے۔

۹۔آپ کو اپنی ذہنی فضا کو پوری طرح اکیڈیمک رکھنا چاہیے۔امام شافعی کی بات کو پڑھیے، سمجھیے اور جہاں کہیں ابہام ہو، وہاں ان کی بات کو ویسے ہی لینا چاہیے جیسے بعد کے شوافع نے لیا ہے، کیونکہ امام شافعی کی کتاب سیبویہ کی کتاب کی طرح ہے، کوئی مرتب اصول کی کتاب نہیں ہے۔امام صاحب نے بہت سی چیزوں کی تنقیح ''کتاب الام'' میں اور ''مختلف الحدیث'' میں بھی کی ہے، انھیں بھی دیکھ لینا چاہیے۔

۱۰۔امام شافعی کو پڑھتے ہوئے علمی دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ آپ امام صاحب کی بات کو سمجھیں، ان کی

پوزیشن کو متعین کریں، ان کے مسئلے کو appreciate کریں۔ یہ سمجھنے کا عمل ہے۔ اس عمل سے گزرنے کے بعد اگر آپ ان پر کوئی تنقید لکھنا چاہیں تو اسے خالص علمی طریقے سے لکھیں۔ یعنی یہ کہ امام شافعی نے اگر قرآن کی آیت سے استنباط کیا ہے تو اس میں کیا خرابی ہے، اگر کسی روایت کو بنیاد بنایا ہے تو اس میں کیا غلطی ہے، اگر کسی معاملے میں عقلی استدلال کیا ہے، تو کیا وہ عقل کی میزان پر پورا اترتا ہے، اگر مشاہدے یا تجربے کی کوئی بات کی ہے تو کیا وہ خلاف واقعہ تو نہیں ہے اور مشاہدہ اور تجربہ واقعتاً اس کی تصدیق کر رہے ہیں، اگر انسان کے فطری علم کو دلیل بنایا ہے تو کیا وہ فی الواقع فطری علم ہے؟

ہمارے پاس استدلال کے فطری ذرائع یہی ہیں۔ ہم یا فطری عمل سے استدلال کرتے ہیں یا استنباط سے کرتے ہیں یا تجربے سے کرتے ہیں یا مشاہدے سے کرتے ہیں۔ گویا جب ہم چیزوں کو ثابت کرتے ہیں تو ہمارے پاس دو ہی طریقے ہوتے ہیں: ایک استخراج کا اور دوسرا استقراء کا۔ ان کے علاوہ انسان کوئی اور طریقہ ایجاد نہیں کر سکا۔ ان طریقوں کو بالکل بے لاگ طور پر استعمال کرنا چاہیے اور ان کا اطلاق کرتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ امام شافعی پر کر رہے ہیں یا امام فراہی پر۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرآنیات

البیان

جاوید احمد غامدی

طٰہٰ - الانبیاء

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے توام ہیں۔ دونوں کا موضوع انذار و بشارت ہے۔ پہلی سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس انذار و بشارت کے ردعمل پر صبر و انتظار کی تلقین ہے اور دوسری میں آپ کے مخاطبین کو شدید تنبیہ کہ اُن کے احتساب کی گھڑی قریب آ گئی ہے۔ اب پیغمبر کو زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اُن کی قیادت و سیادت کا دائرہ سمٹ رہا ہے۔ وہ متنبہ ہو جائیں، اُن کے لیے خدا کا فیصلہ عنقریب صادر ہونے والا ہے۔

پہلی سورہ میں خطاب تمام تر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسری میں قریش مکہ سے ہے۔

اِن سورتوں کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلۂ اتمام حجت میں اُس وقت نازل ہوئی ہیں، جب ہجرت کا مرحلہ قریب آ گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة طٰهٰ

(۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ﴿۲﴾ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ﴿۳﴾ تَنۡزِيۡلًا

۱

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

یہ سورۂ 'طٰهٰ' ہے۔ ہم نے یہ قرآن تم پر اِس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ[۱]۔
یہ تو صرف ایک یاددہانی ہے[۲] اُن کے لیے جو (بن دیکھے) اپنے پروردگار سے ڈریں[۳]۔ یہ نہایت اہتمام

---

[۱] یہ نہایت دل نواز اور محبت بھرے انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ دوسروں کے ایمان کی فکر میں اپنی زندگی اجیرن نہ کریں۔ خدا نے آپ سے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ آپ ایمان و اسلام کی اِس دعوت کو ہر حال میں اپنے مخاطبین کے اندر اتار دیں۔ یہ آپ کی قدر نہیں پہچان رہے تو آپ کو بھی اِن کے پیچھے جان ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے پروردگار نے آپ کو اِس کا مکلّف نہیں ٹھیرایا ہے۔

[۲] یعنی اُن حقائق کی یاددہانی ہے جو انسان کی فطرت میں ودیعت ہیں، جن کے دلائل خود اُس کی عقل کے خزینوں میں موجود اور اُس کی تاریخ میں محفوظ ہیں۔

مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ﴿۴﴾ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ﴿۵﴾
لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰی ﴿۶﴾

کے ساتھ اُس ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور (تمھارے اوپر) اِن اونچے آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی رحمٰن، وہ (اِس کائنات کے) تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے، سب اُسی کے اختیار میں ہے[۴]۔ ۱-۶

۳؎ اِس سے یہ بات واضح ہوئی کہ خدا کے پیغمبر تذکیر ونصیحت کے لیے آتے ہیں، اُنھیں لوگوں کے لیے داروغہ بنا کر نہیں بھیجا جاتا۔ اُن کی ذمہ داری اِس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ لوگوں کو اُن کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیں۔ پھر یہ لوگوں کا کام ہے کہ اُس سے یاددہانی حاصل کرکے فوز وفلاح سے ہم کنار ہوں یا اُسے جھٹلا کر جہنم کا ایندھن بن جائیں۔

۴؎ یہ قرآن کی عظمت واضح فرمائی ہے کہ یہ کسی سائل کی درخواست نہیں ہے، بلکہ زمین وآسمان کے خالق کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ اُس کی رحمت کا تقاضا تھا کہ لوگوں کی ہدایت کا سامان کرے۔ چنانچہ اُس نے یہ کتاب اتاری۔ وہ اِس کائنات کو پیدا کرکے اِس سے الگ نہیں ہو بیٹھا ہے، بلکہ اِس کے تخت سلطنت پر متمکن ہے اور اپنی مخلوقات پر فرماں روائی کر رہا ہے۔ اِس کتاب کے ذریعے سے اُس نے لوگوں کو اپنے احکام وقوانین سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب اگر اُنھوں نے اِس کی قدر نہیں پہچانی اور اِسی طرح اِس کو رد کرتے رہے تو اِس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔ وہ اِس کے نتائج خود بھگتیں گے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''اِس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ اشارہ بھی ہے کہ اِس کو اُسی طرح لوگوں کے سامنے پیش کیجیے، جس طرح آسمان وزمین کے خالق ومالک کا کلام پیش کیا جانا چاہیے۔ اِس کے لیے نہ زیادہ استمالت کی ضرورت ہے، نہ کسی الحاح واصرار کی۔ اِس کے قبول کرنے میں لوگوں کا اپنا نفع ہے نہ کہ خدا کا۔ یہ کوئی ملتجیانہ درخواست نہیں ہے، بلکہ خلق کے لیے صحیفۂ ہدایت ہے۔ اِس کو رد کرنے والے خود اپنی شامت بلائیں گے، آپ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔'' (تدبر قرآن ۱۶/۵)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ﴿۷﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ﴿۸﴾

تم چاہے اپنی بات علانیہ کہو یا چپکے سے کہو، اُس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے،[۵] اِس لیے کہ وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات، بلکہ اُس سے زیادہ مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔[۶] وہ اللہ ہے، اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔[۷] تمام اچھے نام اُسی کے ہیں۔[۸] ۷-۸

---

۵ جملے کا یہ حصہ عربیت کے اسلوب پر اصل میں حذف ہے۔

۶ یہ ایک دوسرے پہلو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دل و دماغ کے مخفی گوشوں میں چھپے ہوئے سوالات اور پریشانیاں ہوں یا آپ کی دعا و مناجات میں ظاہر ہونے والی مشکلات اور تمنائیں، اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ آپ مطمئن رہیں، وہ آپ کی ہر مشکل کو آسان کرے گا اور اِس دعوت کے کسی مرحلے میں بھی آپ اُس کی رہنمائی سے محروم نہیں رہیں گے۔

۷ یہ کامل تفویض کی ہدایت ہے کہ آپ اپنا معاملہ اُسی کے حوالے کیجیے۔ وہ تنہا معبود ہے۔ اُس کے ہوتے ہوئے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

۸ استاذ امام کے الفاظ میں، یہ ٹکڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور طمانیت کا خزانہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''...اوپر کی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تسلی دی گئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے اُس کی عظمت، اُس کی رحمت، اُس کی حاکمیت، اُس کی یکتائی اور اُس کے علم کے مقتضیات کی روشنی میں دی گئی ہے، لیکن خدا کی صفات اتنی ہی تو نہیں ہیں۔ وہ تو تمام اچھی اور اعلیٰ صفتوں سے متصف ہے تو ظاہر ہے کہ اُن صفات کے مقتضیات بھی حضور کے لیے حالات کے اعتبار سے ظاہر ہوں گے۔ گویا اِس ٹکڑے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ تمام اچھی صفتیں خدا ہی کے لیے ہیں اور وہ سب آپ کے اوپر سایہ فگن ہیں۔ آپ اُن میں سے جس کا سہارا بھی لیں گے، اُس کی برکتوں سے متمتع ہوں گے۔ اُن کے سوا آپ کسی اور سہارے کے محتاج نہیں ہیں۔''
>
> (تدبر قرآن ۵/۱۷)

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معارف نبوی

جاوید احمد غامدی

تحقیق و تخریج: محمد حسن الیاس

اتمام حجت اور عذاب

(۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ، قَالَ: بَعَثَ عُمَرُ النَّاسَ فِي أَفْنَاءِ الْأَمْصَارِ يُقَاتِلُونَ الْمُشْرِكِينَ، فَأَسْلَمَ الْهُرْمُزَانُ فَقَالَ: إِنِّي مُسْتَشِيرُكَ فِي مَغَازِيَّ هَذِهِ، قَالَ: نَعَمْ، مَثَلُهَا وَمَثَلُ مَنْ فِيهَا مِنَ النَّاسِ مِنْ عَدُوِّ الْمُسْلِمِينَ مَثَلُ طَائِرٍ لَهُ رَأْسٌ وَلَهُ جَنَاحَانِ وَلَهُ رِجْلَانِ، فَإِنْ كُسِرَ أَحَدُ الْجَنَاحَيْنِ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ بِجَنَاحٍ وَالرَّأْسُ، فَإِنْ كُسِرَ الْجَنَاحُ الْآخَرُ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ وَالرَّأْسُ، وَإِنْ شُدِخَ الرَّأْسُ ذَهَبَتِ الرِّجْلَانِ وَالْجَنَاحَانِ وَالرَّأْسُ، فَالرَّأْسُ كِسْرَى وَالْجَنَاحُ قَيْصَرُ وَالْجَنَاحُ الْآخَرُ فَارِسُ، فَمُرِ الْمُسْلِمِينَ فَلْيَنْفِرُوا إِلَى كِسْرَى، وَقَالَ بَكْرٌ[1] وَزِيَادٌ جَمِيعًا، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ، قَالَ: فَنَدَبَنَا عُمَرُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْنَا النُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ، [حَتَّى إِذَا كُنَّا بِأَرْضِ الْعَدُوِّ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ نَهَرٌ، وَمَا لَنَا كَثِيرُ خُيُولٍ، خَرَجَ عَلَيْنَا

عَامِلُ كِسْرَى فِي أَرْبَعِينَ أَلْفًا، حَتَّى وَقَفُوا عَلَى النَّهَرِ وَوَقَفْنَا مِنْ حِيَالِهِ الْآخَرِ، وَكُنَّا اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا][2] فَقَامَ تَرْجُمَانٌ، فَقَالَ: لِيُكَلِّمْنِي رَجُلٌ مِنْكُمْ، فَقَالَ الْمُغِيرَةُ:[3] سَلْ عَمَّا شِئْتَ قَالَ: مَا أَنْتُمْ؟ قَالَ: نَحْنُ أُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ، كُنَّا فِي شَقَاءٍ شَدِيدٍ وَبَلَاءٍ طَوِيلٍ، نَمُصُّ الْجِلْدَ وَالنَّوَى مِنَ الْجُوعِ، وَنَلْبَسُ الْوَبَرَ وَالشَّعَرَ، وَنَعْبُدُ الشَّجَرَ وَالْحَجَرَ، فَبَيْنَا نَحْنُ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرَضِينَ تَعَالَى ذِكْرُهُ وَجَلَّتْ عَظَمَتُهُ إِلَيْنَا نَبِيًّا مِنْ أَنْفُسِنَا نَعْرِفُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ،[4] فَأَمَرَنَا نَبِيُّنَا رَسُولُ رَبِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُقَاتِلَكُمْ حَتَّى تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ أَوْ تُؤَدُّوا الْجِزْيَةَ،[5] وَأَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رِسَالَةِ رَبِّنَا أَنَّهُ مَنْ قُتِلَ مِنَّا، صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ فِي نَعِيمٍ لَمْ يَرَ مِثْلَهَا قَطُّ، وَمَنْ بَقِيَ مِنَّا، مَلَكَ رِقَابَكُمْ[6] [فَقَالَ: أَتَدْرُونَ مَا مَثَلُنَا وَمَثَلُكُمْ؟ قَالَ الْمُغِيرَةُ: مَا مَثَلُنَا وَمَثَلُكُمْ؟ قَالَ: مَثَلُ رَجُلٍ لَهُ بُسْتَانٌ ذُو رَيَاحِينَ، وَكَانَ لَهُ ثَعْلَبٌ قَدْ آذَاهُ، فَقَالَ لَهُ رَبُّ الْبُسْتَانِ: يَا أَيُّهَا الثَّعْلَبُ، لَوْلَا أَنْ تُنْتِنَ حَائِطِي مِنْ جِيفَتِكَ لَهَيَّأْتُ مَا قَدْ قَتَلَكَ، وَأَنَّا لَوْلَا أَنْ تُنَتَّنَ بِلَادُنَا مِنْ جِيفَتِكُمْ لَكُنَّا قَدْ قَتَلْنَاكُمْ بِالْأَمْسِ، قَالَ لَهُ الْمُغِيرَةُ: هَلْ تَدْرِي مَا قَالَ الثَّعْلَبُ لِرَبِّ الْبُسْتَانِ؟ قَالَ: مَا قَالَ لَهُ؟ قَالَ: قَالَ لَهُ: يَا رَبَّ الْبُسْتَانِ، أَنْ أَمُوتَ فِي حَائِطِكَ ذَا بَيْنَ الرَّيَاحِينِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَخْرُجَ إِلَى أَرْضٍ قَفْرٍ لَيْسَ بِهَا شَيْءٌ، مَا عُدْنَا فِي ذَلِكَ الشَّقَاءِ أَبَدًا حَتَّى نُشَارِكَكُمْ فِيمَا أَنْتُمْ فِيهِ أَوْ نَمُوتَ، قَالَ جُبَيْرٌ: فَأَقَمْنَا عَلَيْهِمْ يَوْمًا لَا نُقَاتِلُهُمْ وَلَا يُقَاتِلُنَا الْقَوْمُ][7]، [قَالَ أَبِي: لَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ قَطُّ، إِنَّ الْعُلُوجَ يَجِيئُونَ كَأَنَّهُمْ جِبَالُ الْحَدِيدِ، وَقَدْ تَوَاثَقُوا أَنْ لَا يَفِرُّوا مِنَ الْعَرَبِ، وَقَدْ قُرِنَ بَعْضُهُمْ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

إِلَى بَعْضٍ حَتَّى كَانَ سَبْعَةٌ فِي قِرَانٍ، وَأَلْقَوْا حَسَكَ الْحَدِيْدِ خَلْفَهُمْ، وَقَالُوْا: مَنْ فَرَّ مِنَّا عَقَرَهُ حَسَكُ الْحَدِيْدِ، فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حِيْنَ رَأَى كَثْرَتَهُمْ: لَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فَشَلًا، قَالَ: فَقَامَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حِيْنَ رَأَى كَثْرَتَهُمْ، فَقَالَ: لَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فَشَلًا، إِنَّ عَدُوَّنَا يُتْرَكُوْنَ أَنْ يَنَامُوْا، فَلَا يُعْجَلُوْا[٨]، أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ أَنَّ الْأَمْرَ إِلَيَّ لَقَدْ أَعْجَلْتُهُمْ بِهِ][٩]، فَقَالَ النُّعْمَانُ: رُبَّمَا أَشْهَدَكَ اللّٰهُ مِثْلَهَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُنَدِّمْكَ وَلَمْ يُخْزِكَ وَلٰكِنِّي شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا، كَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ فِيْ أَوَّلِ النَّهَارِ انْتَظَرَ، [حَتَّى تَزُوْلَ الشَّمْسُ وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ][١٠]، [أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ، فَانْظُرُوْا إِلَى رَايَتِي هٰذِهِ، فَإِذَا حَرَّكْتُهَا فَاسْتَعِدُّوْا، مَنْ أَرَادَ أَنْ يَطْعَنَ بِرُمْحِهِ فَلْيُيَسِّرْهُ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَضْرِبَ بِعَصَاهُ فَلْيُيَسِّرْ عَصَاهُ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَطْعَنَ بِخَنْجَرِهِ فَلْيُيَسِّرْهُ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَضْرِبَ بِسَيْفِهِ فَلْيُيَسِّرْ سَيْفَهُ، أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنِّي مُحَرِّكُهَا الثَّانِيَةَ فَاسْتَعِدُّوْا، ثُمَّ إِنِّي مُحَرِّكُهَا الثَّالِثَةَ، فَشُدُّوْا عَلَى بَرَكَةِ اللّٰهِ، فَإِنْ قُتِلْتُ فَالْأَمِيْرُ أَخِي، وَإِنْ قُتِلَ أَخِي فَالْأَمِيْرُ حُذَيْفَةُ، فَإِنْ قُتِلَ حُذَيْفَةُ فَالْأَمِيْرُ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، وَقَدْ حَدَّثَنِي زِيَادٌ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: قَتَلَهُمُ اللّٰهُ، فَنَظَرُوْا إِلَى بَغْلٍ مُوَقَّرٍ عَسَلًا وَسَمْنًا قَدْ كَدَسَتِ الْقَتْلَى عَلَيْهِ فَمَا أُشَبِّهُهُ إِلَّا كَوْمًا مِنْ كَوْمِ السَّمَكِ مُلْقًى بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ إِنَّمَا يَكُوْنُ الْقَتْلُ فِي الْأَرْضِ وَلٰكِنَّ هٰذَا شَيْءٌ صَنَعَهُ اللّٰهُ، وَظَهَرَ الْمُسْلِمُوْنَ، وَقُتِلَ النُّعْمَانُ وَأَخُوْهُ، وَصَارَ الْأَمْرُ إِلَى حُذَيْفَةَ.][١١]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جبیر بن حیہ بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سب شہروں میں بھیجا۔ وہ اُن کے

میدانوں میں مشرکین[1] سے جنگ کرتے رہے[2]۔ یہ اِنھی جنگوں کا نتیجہ تھا کہ ہرمزان[3] نے اسلام قبول کر لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہا: میں اپنی اِن جنگوں کے بارے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا: ضرور کیجیے، اِن شہروں اور اِن کے لوگوں کی مثال جو اِن میں مسلمانوں کے دشمن ہیں، ایک پرندے جیسی ہے جس کا ایک سر اور دو بازو اور دو پاؤں ہیں۔ سو اگر ایک بازو توڑ دیا جائے تو اُس کے دونوں پاؤں اور اُس کا سر ایک بازو کے ساتھ بھی پرواز کے لیے اٹھ سکیں گے، پھر اگر دوسرا بازو بھی توڑ دیا جائے تو دونوں پاؤں اور سر اٹھنے کے قابل ہوں گے، لیکن اگر سر توڑ دیا جائے تو پاؤں بھی بے کار ہو جائیں گے، دونوں بازو بھی اور سر بھی۔ پس سر تو کسریٰ ہے اور ایک بازو قیصر اور دوسرا فارس ہے، اِس لیے آپ مسلمانوں کو حکم دیجیے کہ وہ پہلے کسریٰ پر حملے کے لیے نکلیں۔ بکر اور زیاد، دونوں نے جبیر بن حیہ سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا: اِس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں جنگ کے لیے بلایا اور نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر کر دیا۔ ہم اُن کی قیادت میں نکلے، یہاں تک کہ جب دشمن کے علاقے میں پہنچے اور اُن کے اور ہمارے درمیان ایک نہر حائل رہ گئی اور ہمارے پاس زیادہ گھوڑے بھی نہیں تھے تو کسریٰ کا ایک افسر چالیس ہزار کا لشکر لے کر ہمارے مقابلے کے لیے آیا اور وہ لوگ نہر پر آ کر کھڑے ہو گئے، جب کہ ہم دوسری طرف سامنے کھڑے تھے اور صرف بارہ ہزار تھے۔ پھر ایک ترجمان اٹھا اور اُس نے کہا: تم میں سے کوئی شخص مجھ سے بات کر لے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جو پوچھنا چاہتے ہو، پوچھو۔ اُس نے کہا: تم کون لوگ ہو؟ مغیرہ نے کہا: ہم عرب کے لوگ ہیں، سخت بدبختیوں میں گھرے ہوئے اور ایک زمانے سے مصیبتوں میں مبتلا تھے، بھوک کے مارے چمڑا اور کھجور کی گٹھلیاں تک چوس لیتے تھے، اون اور بالوں کا لباس پہنتے اور درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے۔ ہمارے یہی حالات تھے، جب زمینوں اور آسمانوں کے پروردگار نے، جس کا ذکر بلند اور جس کی عظمت بڑی ہے، ہماری طرف خود ہمارے لوگوں میں سے ایک نبی بھیجا، جس کے ماں باپ کو ہم خوب پہچانتے تھے۔ پھر ہمارے نبی، ہمارے پروردگار کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم[4] نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تمھارے ساتھ جنگ کریں، یہاں تک کہ تم لوگ تنہا ایک خدا کی عبادت کرنے لگو اور اگر یہ نہیں تو

جزیہ دینا قبول کرلو[5]۔ اور ہمارے نبی نے ہمیں ہمارے پروردگار کے پیغام سے یہ بات بھی پہنچائی کہ اِن جنگوں میں ہمارا جو آدمی قتل ہو جائے گا، وہ جنت کی ایسی آسایشوں میں پہنچے گا کہ اُس جیسی آسایشیں اُس نے کبھی نہ دیکھی ہوں گی، اور جو ہم میں سے زندہ رہے گا، وہ تمھاری گردنوں کا مالک ہوگا[6]۔ اُس نے یہ سنا تو کہا: تم جانتے ہو کہ ہماری اور تمھاری مثال کیا ہے؟ مغیرہ نے پوچھا: کیا مثال ہے، ہماری اور تمھاری؟ اُس نے کہا: یہ اُس شخص کی مثال ہے جس کا خوشبودار پودوں کا ایک باغ تھا اور وہاں ایک لومڑی تھی، جس نے اُس کو ستا رکھا تھا۔ باغ کے مالک نے اُس لومڑی سے کہا: اے لومڑی، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تو اپنے مردہ جثّے کی بدبو سے میرے باغ کو بھر دے گی تو میں کچھ اہتمام کرتا کہ تجھے قتل کر دیا جائے۔ ہمارا معاملہ بھی یہی ہے۔ اگر ہم کو بھی یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمھارے مردار جسم سے ہمارے شہر بدبودار ہو جائیں گے تو ہم کل ہی تم لوگوں کو قتل کر چکے ہوتے۔ اِس پر مغیرہ کہنے لگے: جانتے ہو کہ لومڑی نے باغ کے مالک کو کیا جواب دیا تھا؟ اُس نے پوچھا: کیا دیا تھا؟ مغیرہ نے کہا: اُس نے جواب دیا تھا کہ مجھے خوشبودار پودوں کے درمیان تمھارے اِس باغ میں مرنا اِس سے زیادہ پسند ہے کہ میں یہاں سے نکل کر اُس بے آب و گیاہ ملک میں جاؤں، جہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم اُن بدبختیوں میں کبھی لوٹنے کے نہیں ہیں، یہاں تک کہ تم لوگ جس صورت حال میں ہو، تمھارے ساتھ ہم بھی اُس میں شریک ہو جائیں[7] یا (اِسی جدوجہد میں) مر جائیں۔ جبیر کہتے ہیں کہ ہم پورا دن اُن کے سامنے کھڑے رہے، نہ ہم نے اُن سے جنگ کی اور نہ اُن لوگوں نے۔ راوی کا بیان ہے کہ میرے والد نے کہا: میں نے اُس دن جیسا منظر کبھی نہیں دیکھا۔ اُن کافروں کے لشکریوں امڈے چلے آ رہے تھے جیسے لوہے کے پہاڑ ہوں۔ وہ آپس میں عہد کر کے آئے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیے گئے تھے، یہاں تک کہ ایک رسی میں سات بندھے ہوئے تھے۔ اپنے پیچھے اُنھوں نے لوہے کے کانٹے رکھ دیے تھے اور کہہ دیا تھا کہ ہم میں سے جو فرار ہوا، یہ کانٹے اُسے ذبح کر ڈالیں گے۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جب اُن لوگوں کی کثرت دیکھی تو فرمایا: میں نے آج تک اِس طرح کی کمزوری نہیں دیکھی۔ اِس طرح تو ہمارے یہ دشمن چھوڑ دیے جائیں گے کہ آرام سے سوتے رہیں اور

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اُنھیں کسی سبقت کا اندیشہ نہ ہو۔ بخدا، اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں فوراً اُن پر ٹوٹ پڑتا۔ اِس پر نعمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اِس طرح کی کئی جنگیں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دکھا چکا ہے، پھر آپ کو اُس نے کبھی شرمندہ کیا، نہ رسوا، لیکن (میرے انتظار کی وجہ یہ ہے کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی معرکوں میں اِس طرح شرکت کی ہے کہ آپ جب دن کی ابتدا میں جنگ نہیں کرتے تھے تو لازماً انتظار کرتے، یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے، ہوائیں چلنے لگیں اور اللہ کی مدد نازل ہو جائے[8]۔ (اِس کے بعد اُنھوں نے لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا): لوگو، میرے اِس جھنڈے کو دیکھتے رہو، میں جب اِس کو حرکت دوں تو تیاری کر لینا۔ جو اپنا نیزہ مارنا چاہے، وہ اُسے تیار رکھے، جو اپنی لاٹھی چلانا چاہے، لاٹھی تیار کر لے، جو خنجر چلانے کا ارادہ رکھتا ہو، خنجر تیار رکھے اور جو اپنی تلوار سے مارنا چاہتا ہو، وہ تلوار تیار کر لے۔ سنو لوگو، میں اِس جھنڈے کو دوسری مرتبہ حرکت دوں گا تو تم لوگ حملے کے لیے تیار ہو جاؤ گے۔ پھر میں اِس کو تیسری مرتبہ حرکت دوں گا، (تم اِسے دیکھو) تو اللہ کی طرف سے خوش بختی کے بھروسے پر ٹوٹ پڑو۔ پھر اگر میں قتل ہو جاؤں تو میرا بھائی امیر ہو گا اور وہ بھی قتل ہو جائے تو حذیفہ امیر ہوں گے اور اگر حذیفہ بھی قتل ہو جائیں تو مغیرہ بن شعبہ امیر بنا لیے جائیں۔ زیاد نے مجھے بتایا کہ اُن کے والد کا بیان ہے کہ اِن سب لوگوں کو اللہ نے قتل کر ڈالا۔ پھر اُنھوں نے شہد اور گھی سے لدا ہوا ایک خچر دیکھا جس پر مقتولوں کا ڈھیر تھا۔ میں تو اُس کو مچھلیوں کے ایک ڈھیر ہی سے تشبیہ دوں گا جو ایک دوسری پر ڈال دی گئی ہوں[9]۔ سو مجھ پر واضح ہو گیا کہ قتل تو زمین ہی پر ہوتے ہیں، لیکن یہ خدا کا کام ہے جو اُس نے کر ڈالا ہے۔ چنانچہ مسلمان غالب آ گئے، نعمان بن مقرن اور اُن کے بھائی شہید ہو گئے اور امارت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو منتقل ہو گئی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۔ یہاں یہ لفظ اُس اصطلاحی مفہوم میں نہیں ہے، جس میں یہ قرآن میں استعمال ہوا ہے، بلکہ اُن سب لوگوں کے لیے ایک عام لفظ کے طور پر استعمال کر لیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراتے تھے۔ چنانچہ مشرکین اور اہل کتاب، دونوں کو شامل ہے۔

۲۔ یعنی اُن سب لوگوں سے، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتمام حجت کیا اور اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اُن کے لیے موت یا محکومی کی سزا کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ اِس کی تفصیلات کے لیے دیکھیے، ہماری کتاب ''البیان'' میں سورۂ توبہ (۹) کا ترجمہ اور اُس کے حواشی، جہاں اِس اعلان کی وضاحت کی گئی ہے۔

۳۔ قادسیہ کے معرکے میں ایرانی لشکر کا ایک سردار اور شوستر کا حاکم۔ اِس معرکے میں مسلمانوں کے لشکر کی سربراہی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔

۴۔ یعنی صرف نبی نہیں، بلکہ رسول بھی۔ یہ وضاحت اِس لیے ضروری تھی کہ آگے جو حکم بیان ہوا ہے، وہ خدا کا کوئی رسول ہی دے سکتا ہے۔

۵۔ اِس سے واضح ہوا کہ جزیرہ نماے عرب سے باہر کی قوموں کے خلاف جو اقدام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد کیا گیا، وہ محض صحابہ کا اجتہاد نہ تھا، جیسا کہ ہم نے بھی دوسری جگہ لکھا ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اُن کو دعوت خود دی، اُسی طرح اُن کے خلاف اقدام کا حکم بھی خود ہی دیا۔ ہم نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ وضاحت کی ہے کہ یہ حکم سنت الٰہی کے مطابق اور اُنھی قوموں کے خلاف دیا گیا تھا، جن پر آپ نے خدا کی حجت ہر لحاظ سے پوری کر دی تھی۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ہماری کتاب ''مقامات'' میں مضمون: ''رسولوں کا اتمام حجت''۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۶۔ یعنی تم پر حکومت کرے گا اور تم اُس کے ماتحت بن کر رہو گے۔ یہ ٹھیک اُس نتیجے کا بیان ہے جو اُس حکم پر عمل سے نکلنے والا تھا جو پیچھے بیان ہوا ہے۔ اِس لیے کہ یہی سنت الٰہی ہے۔ سورۂ مجادلہ (۵۸) کی آیت ۲۱ میں اِسی کو بیان کیا گیا ہے: 'کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ، اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ' (اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ حقیقت یہ کہ اللہ بڑا زور والا اور بڑا زبردست ہے)۔

۷۔ مطلب یہ ہے کہ عرب کے صحرا سے نکل کر اُس تمدن کا حصہ بن جائیں جو تمھاری اِس سرزمین پر قائم ہے۔

۸۔ یہ اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بیان کیا ہے کہ یا صبح کے ٹھنڈے وقت میں جنگ کی ابتدا کرتے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر دن کے ڈھلنے اور سہ پہر کی ہواؤں کے چلنے کا انتظار کرتے کہ صحرا کی گرمی میں یہ ہوائیں اللہ کی طرف سے لڑنے والوں کی مددگار ہو جائیں۔ مدعا یہ ہے کہ میں اگر دن کے ڈھلنے کا انتظار کر رہا ہوں تو لڑنے کے لیے مناسب وقت اور خدا کی نصرت کے ظہور ہی کے لیے کر رہا ہوں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

۹۔ یعنی بالکل اُسی طرح قتل کر ڈالا، جس طرح بدر کے موقع پر کیا تھا۔ اِس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتمام حجت کے بعد یہ اللہ کا عذاب تھا جو اِن قوموں پر اُسی طرح نازل کیا گیا، جس طرح عرب کے

مشرکین اور اہل کتاب پر نازل کیا گیا تھا۔ چنانچہ سورۂ انفال (۸) کی آیت ۱۷ میں بدر کے مقتولین سے متعلق اِسی اسلوب میں فرمایا ہے: 'فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ' (سو حقیقت یہ ہے کہ اِس جنگ میں تم نے اِن کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اِن کو قتل کیا ہے)۔ آگے اِسی کی وضاحت ہے کہ مقتولین جس طرح ڈھیروں کی صورت میں پڑے ہوئے تھے، اُن کو دیکھ کر ہر شخص اندازہ کر سکتا تھا کہ یہ کام انسانوں کے بس کا نہیں ہے، یہ خدا ہی کر سکتا تھا۔

متن کے حواشی

۱۔ یہاں بکر سے مراد بکر بن عبد اللہ المزنی ہیں۔ ملاحظہ ہو: الاسماء والصفات، بیہقی، رقم ۴۲۸۔

۲۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۷۱۶۱۔

۳۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۲۹۴۱ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت اِن کتابوں میں نقل ہوئی ہے: مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۸۳۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۲۳۸۱، ۳۳۰۹۵۔ مسند احمد، رقم ۲۳۱۱۰۔ سنن ترمذی، رقم ۱۵۳۵، ۱۵۳۶۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۸۳۱۶۔ تاریخ طبری، رقم ۱۲۷۸۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۸۵۹، ۴۸۶۰۔ مستدرک حاکم، رقم ۲۴۷۵۔ السنن الکبریٰ، بیہقی رقم ۱۷۱۶۱۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۳۰۹۵ میں اِس جگہ یہ اضافہ نقل ہوا ہے: 'وَأَنَّ اللّٰهَ ابۡتَعَثَ مِنَّا نَبِيًّا فِيۡ شَرَفٍ مِنَّا، أَوۡسَطَنَا حَسَبًا وَأَصۡدَقَنَا حَدِيۡثًا' ''اور یہ کہ اللہ نے ہمارے اندر سے ایک نبی ہمارے اشراف میں مبعوث کیا ہے جو حسب و نسب میں بہتر اور اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہے''۔

۵۔ تاریخ طبری، رقم ۱۲۷۸ میں اِس جگہ یہ اضافہ نقل ہوا ہے: 'فَوَ اللّٰهِ مَا زِلۡنَا نَتَعَرَّفُ مِنۡ رَبِّنَا مُنۡذُ جَاءَ نَا رَسُوۡلُهُ الۡفَتۡحَ وَالنَّصۡرَ، حَتّٰى أَتَيۡنَاكُمۡ' ''سو خدا کی قسم، جب سے خدا کے رسول ہمارے پاس آئے ہیں، ہم تو اپنے پروردگار کی طرف سے فتح و نصرت ہی دیکھتے رہے ہیں، یہاں تک کہ اب تمھارے پاس آ پہنچے ہیں''۔

۶۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۸۵۹ میں اِس جگہ یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: 'حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيۡنَا رَسُوۡلًا، فَوَعَدَنَا النَّصۡرَ فِي الدُّنۡيَا وَالۡجَنَّةَ فِي الۡآخِرَةِ' ''یہاں تک کہ اللہ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا، جس نے ہم سے اِس دنیا میں مدد اور آخرت میں جنت کا وعدہ کیا''۔

۷۔ السنن الکبریٰ، بیہقی رقم ۱۷۱۶۱۔

۸۔ اصل روایت میں اِس جگہ 'إِنَّ عَدُوَّنَا يُتۡرَكُوۡنَ أَنۡ يَتَتَامُّوۡا فَلَا يَعۡجَلُوۡا' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

موقع کلام کی رعایت سے دیکھا جائے تو الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۹۸۴ کے الفاظ زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے اُنھی کا انتخاب کیا ہے۔

۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۸۵۹۔

۱۰۔ سنن ترمذی، رقم ۱۵۳۵۔ بعض روایات میں اِس جگہ 'حَتّٰی تَحْضُرَ الصَّلَوَاتُ وَتَهُبَّ الْأَرْوَاحُ وَيَطِيبَ الْقِتَالُ' نقل ہوا ہے، یعنی یہاں تک کہ نمازوں کا وقت آجائے، ہوائیں چلنے لگیں اور قتال میں آسانی ہو جائے۔ ملاحظہ ہو: صحیح ابن حبان، رقم ۴۸۵۹۔ سنن ترمذی، رقم ۱۵۳۵ میں اِس جگہ 'تَهِيجُ رِيَاحُ النَّصْرِ' کا اضافہ نقل ہوا ہے، یعنی نصرت کی ہوائیں چلنے لگیں۔

۱۱۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۷۱۶۱۔ نعمان رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر اہل لشکر کا ردعمل تاریخ طبری، رقم ۱۲۷۸ میں اِس طرح منقول ہے: 'فَكَبَّرَ وَكَبَّرَ الْمُسْلِمُونَ، وَقَالُوا: فَتْحًا، يُعِزُّ اللّٰهُ بِهِ الْإِسْلَامَ وَأَهْلَهُ'' پھر اُنھوں نے تکبیر کہی تو سب مسلمانوں نے تکبیر کہی اور کہنے لگے: کامیابی! اللہ اِس معرکے سے اسلام اور مسلمانوں کو عزت دے گا''۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۸۵۹ میں اِس جگہ نعمان رضی اللہ عنہ کی یہ دعا نقل ہوئی ہے: 'اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنْ تَقَرَّ عَيْنِي الْيَوْمَ بِفَتْحٍ يَكُونُ فِيهِ عِزُّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ، وَذُلُّ الْكُفْرِ وَأَهْلِهِ'' پرودگار، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو آج ایسی فتح کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے جس سے اسلام اور مسلمانوں کو عزت ملے اور جو کفر اور اہل کفر کے لیے باعث ذلت ہو''۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

المصادر والمراجع

ابن حبان، أبو حاتم بن حبان. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). صحيح ابن حبان. ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). فتح الباري شرح صحيح البخاري. (د.ط). تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار المعرفة.

ابن قانع. (١٤١٨هـ/١٩٩٨م). المعجم الصحابة. ط١. تحقيق:حمدي محمد. مكة مكرمة: نزار مصطفىٰ الباز.

ابن ماجة، ابن ماجة القزويني. (د.ت). سنن ابن ماجة. ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار الفكر.

ابن منظور، محمد بن مكرم بن الأفريقي. (د.ت). لسان العرب. ط ١ . بيروت: دار صادر.

أبو نعيم ، (د.ت). معرفة الصحابه.ط ١ . تحقيق: مسعد السعدني. بيروت: دارالكتاب العلمية.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (د.ت). مسند أحمد بن حنبل. ط ١ . بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البخاري، محمد بن إسماعيل. (١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧م). الجامع الصحيح. ط٣ . تحقيق: مصطفٰى ديب البغا. بيروت: دار ابن كثير.

بدر الدين العيني. عمدة القاري شرح صحيح البخاري. (د.ط). بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البيهقي، أحمد بن الحسين البيهقي . (١٤١٤هـ/١٩٩٤م). السنن الكبرىٰ.ط ١ . تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. مكة المكرمة: مكتبة دار الباز.

السيوطي، جلال الدين السيوطي. (١٤١٦هـ/ ١٩٩٦م). الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج.ط ١ . تحقيق: أبو إسحٰق الحويني الأثري. السعودية: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي، الهيثم بن كليب. (١٤١٠هـ). مسند الشاشي. ط ١ . تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين اللّٰه. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

محمد القضاعي الكلبي المزي. (١٤٠٠هـ/١٩٨٠م). تهذيب الكمال في أسماء الرجال. ط ١ . تحقيق: بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم، مسلم بن الحجاج. (د.ت). صحيح المسلم. ط ١ . تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). السنن الصغرىٰ. ط٢ . تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤١١هـ/١٩٩١م). السنن الكبرىٰ. ط ١ . تحقيق: عبد الغفار سليمان البنداري، سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

تحقیق و تخریج: محمد عامر گزدر

فرشتے، تصاویر اور کتا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ،[۱] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ[۲] بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ،[۳] وَلَا كَلْبٌ".[۴]

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو[۱] اور نہ اُس گھر میں، جہاں کتا ہو[۲]۔

۱۔ یہ اِس لیے کہ زمانۂ رسالت کے عرب میں تصویریں اور مجسمے زیادہ تر پرستش کے لیے یا پھر ایسی چیزوں اور ایسے اشخاص کی بنائی جاتی تھیں جن سے متعلق مشرکانہ جذبات کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا تھا، مثلاً، انبیا، فرشتے، جنات، اُن کے بسیرا کرنے کے درخت اور اُن کی سواری کے لیے پروں والے گھوڑے وغیرہ۔ یہ، ظاہر ہے کہ عقیدے کی نجاست ہے اور فرشتوں کو اِس کے بارے میں حساس ہی ہونا چاہیے۔ اِس کا عام تصویروں اور مجسموں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سورۂ سبا (۳۴) کی آیت ۱۳ میں تصریح ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی عمارتوں میں

مورتیں بنوائی تھیں اور خدا کے ایک پیغمبر کے بارے میں یہ کسی طرح متصور نہیں ہوسکتا کہ وہ ایسی کوئی چیز اپنی عمارتوں میں گوارا کرے گا جو فرشتوں کے آنے میں مانع ہوسکتی ہو، لہٰذا آگے کی توضیحات سے واضح ہو جائے گا کہ اِس باب کی تمام روایتیں درحقیقت مادی اور روحانی، دونوں قسم کی نجاستوں ہی سے متعلق فرشتوں کی حساسیت کا بیان ہیں اور اِن سے ہمارے لیے جو تعلیم نکلتی ہے، وہ بھی یہی ہے کہ اُن کی بے تکلف آمد و شد کے لیے ہمیں اپنے گھروں کو ہر قسم کی نجاستوں سے پاک رکھنا چاہیے۔ یہ، اگر غور کیجیے تو ٹھیک اُس مقصد کا تقاضا بھی ہے جو خدا نے اپنے دین کا بیان فرمایا ہے، یعنی تزکیہ و تطہیر۔

۲۔ یعنی وہ کتا جسے سدھایا نہ گیا ہو، لہٰذا جہاں چاہے، گندگی پھیلا سکتا ہو۔ یہ تخصیص اِس لیے ضروری ہے کہ سورۂ مائدہ (۵) کی آیت ۴ میں اللہ تعالیٰ نے کتوں کے سدھانے کے علم کو اپنا سکھایا ہوا علم قرار دیا اور فرمایا ہے کہ اُنھیں اگر اللہ کا نام لے کر شکار پر چھوڑا جائے تو اُن کا شکار کو پھاڑ دینا ہی اُس کا تذکیہ ہے، لہٰذا اُسے ذبح کیے بغیر بھی کھایا جا سکتا ہے۔ اِس میں دیکھ لیجیے، کوئی ادنیٰ تاثر بھی اِس بات کا نہیں ملتا کہ کتا بجاے خود کوئی پلید جانور ہے یا اُس کے رکھنے اور سدھانے سے انسان اللہ کی کسی رحمت سے محروم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ بات علی الاطلاق تو کسی طرح قبول نہیں کی جا سکتی کہ جہاں کتا ہو، فرشتے وہاں داخل نہیں ہوتے، لیکن اُس تخصیص کے ساتھ ضرور قبول کی جا سکتی ہے جو ہم نے بیان کی ہے، کیونکہ فرشتوں کے بارے میں یہ خیال کہ اپنی لطافت طبع کے باعث وہ مادی نجاستوں کے بارے میں بھی ایسے ہی حساس ہوں گے، ہر لحاظ سے قرین قیاس ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پھر یہی نہیں، اِس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اِسے فرشتوں کے ذاتی حیثیت میں اور اپنی مرضی سے کہیں آنے کے ساتھ ہی خاص سمجھا جائے، اِس لیے کہ وہ اگر خدا کے کسی حکم کی تنفیذ کے لیے کہیں بھیجے جائیں گے تو بالبداہت واضح ہے کہ اِس طرح کی کوئی چیز اُن کے لیے مانع نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ یہ کسی طرح متصور نہیں ہوسکتا کہ فرشتے اصحاب کہف کے غار میں محض اِس لیے داخل نہیں ہوتے ہوں گے کہ غار کی دہلیز پر اُن کا کتا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا تھا: 'وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ' (الکہف ۱۸: ۱۸)۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ فرشتے ذاتی حیثیت میں اور اپنی مرضی سے پیغمبروں کے ہاں تو آتے ہی ہیں، اُن کے علاوہ عام لوگوں کے ہاں بھی اُن کا اِس طریقے سے آنا مستبعد نہیں ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیت ۷۸ میں تصریح ہے کہ فجر کی قراءت وہ لازماً سنتے ہیں۔ قرآن کی عام تلاوت کے موقع پر بھی اُن کے آنے کا ذکر بعض روایتوں میں ہوا ہے۔ خیر و برکت کی دوسری مجالس اور مواقع کو اِس پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اُن میں بھی اُن کی شرکت

ہر وقت متوقع ہو سکتی ہے۔

اِس روایت میں اجمال کا اسلوب ہے، لیکن اِس باب کی آخری روایت میں ام المؤمنین سیدہ میمونہ کے بیان کو دیکھیے تو ہماری اِس بات کی تائید ہوتی ہے کہ فرشتوں کے گھروں میں داخل نہ ہونے کا باعث نجاست کا احتمال ہی ہو سکتا ہے۔ اُنھوں نے اُس میں بتایا ہے کہ کتا نکال دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے بیٹھنے کی جگہ پر پانی لے کر چھڑک دیا۔ یہ، ظاہر ہے کہ اِسی لیے کیا گیا کہ وہاں اگر کوئی نجاست رہی ہو تو صاف ہو جائے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۹۹۵۰ سے لیا گیا ہے۔ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ تعبیر کے معمولی فرق کے ساتھ یہ ابوایوب رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور بُریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل ہوئی ہے۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: جامع معمر بن راشد، رقم ۱۹۴۸۳ـ مسند حمیدی، رقم ۴۳۵ـ مسند ابن جعد، رقم ۲۴۵۵، ۲۸۸۰ـ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۹۹۵۰، ۱۹۹۵۲، ۲۵۱۹۱ـ مسند احمد، رقم ۱۶۳۴۶، ۱۶۳۵۳، ۱۶۳۶۹ـ صحیح بخاری، رقم ۳۲۲۵، ۳۳۲۲، ۴۰۰۲، ۵۹۴۹ـ صحیح مسلم، رقم ۲۱۰۶ـ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۶۴۹ـ سنن ترمذی، رقم ۲۸۰۴ـ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۴۲۸۲، ۵۳۴۷، ۵۳۴۸ـ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۴۷۷۵، ۹۶۷۹، ۹۶۸۲، ۹۶۸۳، ۹۶۸۴، ۹۶۸۵، ۹۶۸۶ـ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۴۱۴، ۱۴۳۰ـ مسند رویانی، رقم ۹۷۷، ۹۹۴ـ شرح معانی الآثار، طحاوی، رقم ۶۹۱۴، ۶۹۱۵ـ مسند شاشی، رقم ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹ـ صحیح ابن حبان، رقم ۵۸۵۵ـ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۱۳۴۴، ۹۱۶۳ـ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۴۶۸۶، ۴۶۸۷، ۴۶۸۸، ۴۶۸۹، ۴۶۹۱، ۴۶۹۵، ۴۶۹۶، ۴۶۹۷ـ فوائد تمام، رقم ۱۴۶۹، ۱۴۷۰ـ السنن الصغریٰ، بیہقی، رقم ۲۵۸۷ـ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۱۸۷، ۱۴۵۶۳ـ

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے اِس کے شواہد اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: شرح معانی الآثار، طحاوی، رقم ۶۹۱۶ـ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۲۷۷۲ اور المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۸۶۰ـ

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اِس کے شواہد اِن مراجع میں نقل ہوئے ہیں: موطا مالک، رقم ۷۷۷ـ مسند احمد، رقم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۸۵۸۔ سنن ترمذی، رقم ۲۸۰۵۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۳۰۳۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۸۴۹۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۵۸۹۶۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اِس کا شاہد صحیح مسلم، رقم ۲۱۱۲ دیکھ لیا جا سکتا ہے۔

بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے اِس مضمون کی روایتیں اِن مصادر میں دیکھ لی جا سکتی ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۹۹۵۱۔ مسند احمد، رقم ۲۲۹۸۷۔ معجم ابن الاعرابی، رقم ۲۴۱۱، ۲۴۲۴۔

۲۔ بعض طرق، مثلاً مسند حمیدی، رقم ۴۳۵ میں یہاں 'لَا تَدۡخُلُ الۡمَلَائِکَةُ' ''فرشتے داخل نہیں ہوتے'' کے بجاے 'لَا يَدۡخُلُ الۡمَلَكُ' ''فرشتہ داخل نہیں ہوتا'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۳۔ کئی طرق، مثلاً صحیح بخاری، رقم ۳۲۲۵ میں اِس سیاق میں 'وَلَا صُوۡرَةُ تَمَاثِيۡلَ' ''اور نہ اُس گھر میں، جہاں مورتوں جیسی تصویر ہو'' کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض طرق، مثلاً صحیح بخاری، رقم ۵۹۴۹ میں 'وَلَا تَصَاوِيۡرُ' ''اور نہ اُس گھر میں، جہاں تصویریں ہوں'' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، جب کہ بعض طرق، مثلاً المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۴۶۹۷ میں 'وَلَا تِمۡثَالٌ' ''اور نہ اُس گھر میں، جہاں مورت ہو'' کے الفاظ ہیں۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۶۷۹ میں یہاں 'كَلۡبٌ أَوۡ تِمۡثَالٌ' ''جہاں کتا یا مورت ہو'' کے الفاظ آئے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۴۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کے ایک طریق میں یہ روایت اِن الفاظ میں نقل ہوئی ہے: 'قَالَ أَبُوۡ سَعِيۡدٍ الۡخُدۡرِيُّ: أَخۡبَرَنَا رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الۡمَلَائِكَةَ لَا تَدۡخُلُ بَيۡتًا فِيۡهِ تَمَاثِيۡلُ أَوۡ تَصَاوِيۡرُ. يَشُكُّ إِسۡحَاقُ لَا يَدۡرِي، أَيَّتَهُمَا قَالَ أَبُوۡ سَعِيۡدٍ الۡخُدۡرِيُّ'۔ ''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تھی کہ فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مورتیں یا تصویریں ہوں۔'' اسحاق کو شبہ ہے کہ اِس کے لیے تماثیل یا تصاویر میں سے ابوسعید خدری نے کون سا لفظ استعمال کیا تھا۔ ملاحظہ ہو: موطا مالک، رقم ۷۷۷۔

— ۲ —

عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ حِيۡنَ دَخَلَ الۡبَيۡتَ، وَجَدَ فِيۡهِ صُوۡرَةَ إِبۡرَاهِيۡمَ، وَصُوۡرَةَ مَرۡيَمَ عَلَيۡهِمَا السَّلَامُ، فَقَالَ: ''أَمَّا هُمۡ فَقَدۡ سَمِعُوۡا أَنَّ الۡمَلَائِكَةَ لَا تَدۡخُلُ بَيۡتًا فِيۡهِ صُوۡرَةٌ، هٰذَا إِبۡرَاهِيۡمُ مُصَوَّرًا، فَمَا بَالُهُ يَسۡتَقۡسِمُ؟''.

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ اُس میں سیدنا ابراہیم اور سیدہ مریم کی تصویریں ہیں۔ اُنھیں دیکھ کر آپ نے فرمایا: یہ لوگ سن چکے تھے کہ فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو،[۱] اِس کے باوجود یہ ابراہیم ہیں، جن کی تصویر بنائی گئی ہے اور اُن کا بھی کیا حال ہے کہ ہاتھ میں جوے کے تیر پکڑے ہوئے ہیں![۲]

۱۔ یعنی اپنے آبا سے سن چکے تھے۔ یہ اِس لیے فرمایا کہ قریش مکہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد تھے اور فرشتوں کے بارے میں یہ بات اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے تو آپ سے پہلے کے انبیا نے بھی یقیناً فرمائی ہوگی۔ یہاں اِس کا حوالہ محض اُن کے عمل کی شناعت کو بیان کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔ گویا مدعا یہ ہے کہ اِس طرح کی تصویروں سے فرشتوں کی کراہت کو جانتے تھے، لیکن اِس کے باوجود اُن کے لیے اذیت کا یہ سامان فراہم کرنے سے باز نہیں آئے۔ اِس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اُن کے اِس عمل کی وجہ سے فرشتے خدا کی اِس اولین عبادت گاہ میں داخل نہیں ہوتے ہوں گے۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ سفاہت کی انتہا ہے کہ ایک پیغمبر کی تصویر بنا کر بیت اللہ میں رکھ دی اور وہ بھی اِس طرح کہ ہاتھ میں جوے کے تیر ہیں۔ اِس سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ زمانۂ رسالت کے عرب میں تصویریں بالعموم اُنھی شخصیات کی بنائی جاتی تھیں، جن کے ساتھ تعظیم و تقدیس کے جذبات کسی نہ کسی درجے میں وابستہ ہو سکتے تھے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۲۵۰۸ سے لیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: صحیح بخاری، رقم ۳۳۵۱۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۶۸۷۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۲۴۲۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۸۵۸۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۹۷۲۴۔

—— ۳ ——

عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّهُ صَنَعَ طَعَامًا، فَدَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَاءَ

[فَدَخَلَ[2]] فَرَأَى فِي الْبَيْتِ سِتْرًا فِيهِ تَصَاوِيرُ، فَرَجَعَ، قَالَ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا رَجَعَكَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي؟ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ فِي الْبَيْتِ سِتْرًا فِيهِ تَصَاوِيرُ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ تَصَاوِيرُ".

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے کھانا بنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی۔ چنانچہ آپ تشریف لائے، گھر میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ اُس میں ایک پردہ ہے جس پر تصویریں بنی ہوئی ہیں تو وہیں سے لوٹ گئے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس وجہ سے لوٹ گئے؟ آپ نے فرمایا: تمھارے گھر میں ایک پردہ ہے جس پر تصویریں بنی ہوئی ہیں اور تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جہاں اِس طرح کی تصویریں ہوں[1]۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اِن تصویروں کی پرستش کا کوئی امکان اگرچہ اب باقی نہیں رہا اور اِس بنا پر اِنھیں گوارا کیا جاسکتا تھا، لیکن خدا کے فرشتے جب اِن مظاہر شرک کے بارے میں اِس قدر حساس ہیں تو ہمیں بھی حساس ہی ہونا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدہ کے گھر میں داخل ہوئے تو اُن سے یہ بات اُس وقت بھی کہی جاسکتی تھی، لیکن آپ نے نہیں کہی اور لوٹ گئے۔ یہ رویہ بالعموم اُس وقت اختیار کیا جاتا ہے، جب اپنے متعلقین کو پوری شدت کے ساتھ کسی غلطی پر متنبہ کرنا مقصود ہو۔ آپ کے لوٹ جانے کی وجہ غالباً یہی تھی۔ اِس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اِس طرح کے ہر موقع پر آدمی کو لوٹ ہی جانا چاہیے۔ ہمارا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس شدت کے ساتھ یہ تنبیہ اُس واقعے کے بعد کی ہے جو آگے روایت ۵ میں بیان ہوا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس طرح کی تصویروں کے بارے میں خود آپ بھی جبریل امین کے توجہ دلانے کے بعد ہی پوری طرح متنبہ ہوئے، ورنہ اِس سے پہلے آپ غالباً یہی سمجھتے رہے تھے کہ کپڑوں پر اور محض تزئین کے لیے بنائی گئی تصویریں اگر مشرکانہ بھی ہوں تو محل کی اِس تبدیلی کے بعد اُن کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن اصلاً مسند ابی یعلیٰ، رقم ۴۳۶ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے باقی طرق اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: سنن ابن ماجہ، رقم ۳۳۵۹۔ مسند بزار، رقم ۵۲۳۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۳۵۱۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۶۸۸۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۵۲۱، ۵۵۶۔

۲۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۳۵۱۔

—— ۴ ——

إِنَّ زَیْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ حَدَّثَ[1] بُسْرَ بْنَ سَعِیْدٍ وَعُبَیْدَ اللّٰهِ الْخَوْلَانِيَّ الَّذِيْ کَانَ فِيْ حِجْرِ مَیْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِکَةُ بَیْتًا فِیْهِ صُوْرَةٌ“. قَالَ بُسْرٌ: فَمَرِضَ زَیْدُ بْنُ خَالِدٍ فَعُدْنَاهُ، فَإِذَا نَحْنُ فِيْ بَیْتِهِ بِسِتْرٍ فِیْهِ تَصَاوِیْرُ،[2] فَقُلْتُ لِعُبَیْدِ اللّٰهِ الْخَوْلَانِيِّ: أَلَمْ یُحَدِّثْنَا فِي التَّصَاوِیْرِ؟ [وَیَدَعُ الثَّوْبَ؟][3] فَقَالَ: إِنَّهُ قَالَ: ”إِلَّا رَقْمٌ[4] فِيْ ثَوْبٍ“، أَلَا سَمِعْتَهُ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: بَلٰی قَدْ ذَکَرَهُ.

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے بسر بن سعید اور عبید اللہ خولانی کو بتایا، جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ سیدہ میمونہ نے پالا تھا کہ اُن سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں تصویر ہو۔ بسر کہتے ہیں کہ پھر زید بن خالد کسی موقع پر بیمار ہوئے تو ہم اُن کی عیادت کے لیے گئے۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اُن کے گھر میں ایک پردہ ہے جس میں تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ میں نے یہ دیکھا تو عبید اللہ خولانی سے کہا: کیا تصویروں کے بارے میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اِنھی نے ہم سے بیان نہیں کیا تھا، اور خود یہ کپڑا اپنے گھر میں رکھے ہوئے ہیں؟ اِس پر عبید اللہ نے کہا: اِنھوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ سوائے اُس کے جو کپڑوں میں منقوش ہو۱۔ کیا آپ نے اِن سے یہ نہیں سنا تھا؟ میں نے کہا: نہیں۔ عبید اللہ نے کہا: کیوں نہیں، اُنھوں نے اِس کا ذکر بھی کیا تھا۔

۱۔ اگلی روایت سے واضح ہو جائے گا کہ یہ استثنا محض کپڑے پر بنی ہوئی تصویر کا نہیں، بلکہ بچھونوں اور تکیوں کے کپڑے پر بنی تصویر کا ہے جس پر لوگ بیٹھتے یا لیٹتے ہیں، اِس لیے کہ اُس کے بارے میں تقدیس و تعظیم کے جذبات یا کسی مشرکانہ عقیدے کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ نیچے متن کے حواشی میں دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اِس روایت کے ایک دوسرے طریق میں بھی پردے کے بجائے تکیوں ہی کا ذکر ہوا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن صحیح بخاری، رقم ۳۲۲۶ سے لیا گیا ہے۔ زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے اسلوب کے معمولی فرق کے ساتھ اِس واقعے کے بقیہ طرق جن مصادر میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۱۶۳۴۵۔ صحیح بخاری، رقم ۵۹۵۸۔ صحیح مسلم، رقم ۲۱۰۶۔ سنن ابی داود، رقم ۴۱۵۵۔ السنن الصغریٰ، النسائی، رقم ۵۳۵۰۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۶۷۸۔ شرح معانی الآثار، طحاوی، رقم ۶۹۳۲۔ مسند شاشی، رقم ۱۰۶۷، ۱۰۶۸۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۸۵۰۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۴۵۸۳، ۱۴۵۸۴۔

روایت کا یہی مضمون بعض مراجع، مثلاً مسند بزار، رقم ۳۷۸۰، السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۶۷۶ اور ۹۶۷۷ میں زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے براہ راست بھی نقل ہوا ہے۔ ایک طریق میں اُن سے یہ روایت اِس طرح نقل ہوئی ہے: 'عَنْ عَبِيْدَةَ بْنِ سُفْيَانَ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰى زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ نَعُوْدُهُ فَوَجَدْنَا عِنْدَهُ نُمْرُقَتَيْنِ فِيْهِمَا تَصَاوِيْرُ، فَقَالَ أَبُوْ سَلَمَةَ: أَلَيْسَ حَدَّثْتَنَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ"؟ قَالَ زَيْدٌ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "إِلَّا رَقْمًا فِيْ ثَوْبٍ"'، ''عبیدہ بن سفیان کہتے ہیں: میں اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن

زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئے تو دیکھا کہ اُن کے ہاں دو تکیے تھے، جن پر تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ابوسلمہ نے دیکھا تو کہا: کیا آپ نے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں بیان کیا تھا کہ فرشتے کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو؟ زید نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے کہ سوائے اُس کے جو کپڑوں میں منقوش ہو۔'' ملاحظہ ہو: السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۶۷۶۔

۲۔ بعض طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۶۳۴۵ میں یہاں 'فَإِذَا عَلٰی بَابِهِ سِتْرٌ فِيهِ صُورَةٌ' ''تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اُن کے گھر کے دروازے پر ایک پردہ ہے جس پر تصویر بنی ہوئی ہے'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۳۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۸۵۰۔

۴۔ اِس روایت کے اکثر طرق میں لفظ 'رَقْمًا' حالت رفع کے بجائے منصوب نقل ہوا ہے۔

— ۵ —

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:[1] قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَانِي جِبْرِيلُ، فَقَالَ [لِي]:[2] "ــــ [وعَنْهُ فِي بَعْضِ الروايات: أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَعَرَفَ صَوْتَهُ، فَقَالَ: "ادْخُلْ"، فَقَالَ]:[3] إِنِّي كُنْتُ أَتَيْتُكَ اللَّيْلَةَ، فَلَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَدْخُلَ عَلَيْكَ الْبَيْتَ الَّذِي أَنْتَ فِيهِ، إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فِي الْبَيْتِ تِمْثَالُ رَجُلٍ،[4] وَكَانَ فِي الْبَيْتِ قِرَامُ سِتْرٍ [فِي الْحَائِطِ][5] فِيهِ تَمَاثِيلُ، [وَكَانَ فِي الْبَيْتِ كَلْبٌ]،[6] فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِي فِي بَابِ الْبَيْتِ يُقْطَعُ، فَيُصَيَّرَ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ، وَمُرْ بِالسِّتْرِ يُقْطَعُ، فَيُجْعَلَ مِنْهُ وِسَادَتَانِ مُنْتَبَذَتَيْنِ تُوطَآنِ، [فَإِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ تَمَاثِيلُ]،[7] وَمُرْ بِالْكَلْبِ يُخْرَجُ. فَفَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِذَا الْكَلْبُ جَرْوٌ كَانَ لِلْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ تَحْتَ نَضَدٍ لَهُمْ، [فَأُمِرَ بِهِ فَأُخْرِجَ][8].

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل

علیہ السلام آئے اور اُنھوں نے مجھ سے کہا ــــــ اُنھی سے بعض دوسرے طریقوں میں روایت کی ابتدا اِس طرح ہوئی ہے کہ جبریل امین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئے اور آ کر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے اُن کی آواز پہچان لی اور فرمایا: اندر تشریف لائیے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: میں پچھلی رات آپ سے ملنے کے لیے آیا تھا، لیکن اُس وقت جس گھر میں آپ تھے، اُس میں ایک شخص کی مورت تھی، لہٰذا یہی چیز آپ سے ملنے میں مانع ہوگئی۔ پھر مزید یہ کہ اُس گھر کی دیوار پر ایک سرخ پردہ بھی تھا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں اور ایک کتا بھی تھا۔ سو اُس مورت کا تو سر کاٹ دینے کی ہدایت کیجیے جو گھر کے دروازے میں رکھی ہے، پھر وہ درخت کی صورت ہو جائے گی[1] اور پردے کو کاٹ دینے کی ہدایت فرمائیے کہ اُس سے دو تکیے بنا کر ڈال دیے جائیں جو روندے جاتے رہیں، اِس لیے کہ ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں مورتیں ہوں، اور کتے کے بارے میں بھی ہدایت کیجیے کہ اُسے نکال دیا جائے[2]۔ چنانچہ جس طرح کہا گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح کر دیا۔ اور جب کتے کو دیکھا تو وہ حسن یا حسین کا پلا تھا جو اُن کے تخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ سو حکم ہوا اور اُسے نکال دیا گیا۔

۱۔ یعنی درخت کے تنے جیسی نظر آئے گی، لہٰذا تعظیم و تقدیس کا جو تصور کسی پورے انسان یا جانور یا کسی درخت کے بارے میں پیدا ہو سکتا ہے، اُس کا امکان ختم ہو جائے گا۔

۲۔ آگے کی بعض روایتوں میں کتے کو مار دینے کا ذکر ہے۔ اِس سے واضح ہے کہ ہم نے اُس کی جو توجیہ وہاں کی ہے، وہی قرین قیاس ہے، اِس لیے کہ مار دینا اگر اِس معاملے میں کوئی مطلوب عمل ہوتا تو جبریل یہاں اُس کے محض نکال دینے کی ہدایت پر اکتفا نہ کرتے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۸۰۴۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہیں۔تعبیر اور اجمال و تفصیل کے کچھ اختلاف کے ساتھ اِس کے متابعات اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: جامع معمر بن راشد، رقم ۱۹۴۸۸۔مسند احمد، رقم ۸۰۷۹، ۹۰۶۳، ۱۰۱۹۳۔سنن ابی داود، رقم ۴۱۵۸۔سنن ترمذی، رقم ۲۸۰۶۔السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۳۶۵۔السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۷۰۸۔شرح معانی الآثار، طحاوی، رقم ۶۹۴۵، ۶۹۴۶۔صحیح ابن حبان، رقم ۵۸۵۳، ۵۸۵۴۔السنن الصغریٰ، بیہقی، رقم ۲۵۸۹۔السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۴۵۷۶، ۱۴۵۷۷، ۱۴۵۷۸۔معرفۃ السنن والآثار، بیہقی، رقم ۱۴۴۲۸۔

بعض طرق، مثلاً السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۷۰۸ میں یہ واقعہ اِس تعبیر کے ساتھ روایت ہوا ہے: 'عَنُ أَبِي هُرَيُرَةَ قَالَ: اسُتَأُذَنَ جِبُرِيُلُ عَلَيُهِ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "كَيُفَ أَدُخُلُ وَفِيُ بَيُتِكَ سِتُرٌ فِيُهِ تَمَاثِيُلُ خَيُلًا وَرِجَالًا؟ فَإِمَّا أَنُ تُقُطَعَ رُءُوُسُهَا أَوُ تَجُعَلَ بِسَاطًا يُوُطَأُ، فَإِنَّا مَعُشَرَ الُمَلَائِكَةِ لَا نَدُخُلُ بَيُتًا فِيُهِ تَصَاوِيُرُ"' ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبریل امین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے اجازت طلب کی اور فرمایا: آپ کے گھر میں ایک پردہ ہے جس پر گھوڑوں اور انسانوں کی تصاویر بنی ہیں، چنانچہ میں اِس طرح آپ کے ہاں کیسے داخل ہوں؟ یا تو اُن کے سر کاٹ دیے جائیں اور یا آپ اُس پردے سے کوئی بچھونا بنا لیجیے جسے روندا جائے۔ہم فرشتوں کی جماعت ہیں، اُس گھر میں ہم داخل نہیں ہوتے، جس میں تصویریں ہوں''۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۲۔سنن ابی داود، رقم ۴۱۵۸۔

۳۔مسند احمد، رقم ۸۰۷۹۔

۴۔بعض روایتوں، مثلاً سنن ترمذی، رقم ۲۸۰۶ میں یہاں یہ الفاظ آئے ہیں: 'إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فِيُ بَابِ الُبَيُتِ تِمُثَالُ الرِّجَالِ' ''مگر یہ کہ گھر کے دروازے پر انسانوں کی مورتیں بنی تھیں''۔

۵۔جامع معمر بن راشد، رقم ۱۹۴۸۸۔

۶۔سنن ابی داود، رقم ۴۱۵۸۔

۷۔مسند احمد، رقم ۸۰۷۹۔صحیح ابن حبان، رقم ۵۸۵۳ میں یہاں یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: 'فَقَالَ: إِنَّا لَا نَدُخُلُ بَيُتًا فِيُهِ تَمَاثِيُلُ، فَإِنُ كُنُتَ لَابُدَّ جَاعِلًا فِيُ بَيُتِكَ، فَاقُطَعُ رُءُوُسَهَا أَوِ اقُطَعُهَا وَسَائِدَ، وَاجُعَلُهَا بُسُطًا' ''اِس پر جبریل علیہ السلام نے فرمایا: ہم اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں، اگر آپ کو اپنے گھر میں اِن تصویروں کو رکھنا ہی ہے تو اِن کے سر کاٹ دیجیے یا اِس طرح کے پردوں کو کاٹ کر تکیے یا بچھونے

بنا لیجیے‘‘۔

۸۔ سنن ابی داود، رقم ۴۱۵۸۔

—— ۶ ——

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ:[1] وَاعَدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ سَاعَةٍ يَأْتِيْهِ فِيْهَا، فَجَاءَ تْ تِلْكَ السَّاعَةُ[2] وَلَمْ يَأْتِهِ، وَفِيْ يَدِهِ عَصًا، فَأَلْقَاهَا مِنْ يَدِهِ، وَقَالَ: ’’مَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلَا رُسُلُهُ‘‘، ثُمَّ الْتَفَتَ، فَإِذَا جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ سَرِيْرِهِ،[3] فَقَالَ: ’’يَا عَائِشَةُ، مَتٰى دَخَلَ هٰذَا الْكَلْبُ هَاهُنَا؟‘‘ فَقَالَتْ: وَاللّٰهِ، مَا دَرَيْتُ، فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ، فَجَاءَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ،[4] فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ’’وَاعَدْتَنِيْ فَجَلَسْتُ لَكَ فَلَمْ تَأْتِ‘‘،[5] [’’مَا مَنَعَكَ أَنْ تَدْخُلَ‘‘؟][6] فَقَالَ: مَنَعَنِي الْكَلْبُ الَّذِيْ كَانَ فِيْ بَيْتِكَ، إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی خاص وقت پر آنے کا وعدہ کیا۔ پھر وہ وقت آ گیا، مگر جبریل علیہ السلام نہیں آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک عصا تھا، آپ نے پریشانی میں اُس کو پھینک دیا اور فرمایا: اللہ اور اُس کے فرستادے کبھی وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ پھر آپ نے رخ پھیرا تو دیکھا کہ آپ کے پلنگ کے نیچے ایک پلا ہے۔ آپ نے پوچھا: عائشہ، یہ کتا یہاں کب گھس آیا؟ اُنھوں نے کہا: بخدا، میں نہیں جانتی۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا اور اُسے نکال دیا گیا۔[1] اِس کے بعد جبریل علیہ السلام آ گئے تو آپ نے اُن سے پوچھا: آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا، لیکن آپ آئے نہیں؟ آپ کو کس چیز نے آنے سے روکے رکھا؟ اُنھوں نے فرمایا: اُس کتے نے جو آپ کے گھر میں تھا، آپ کو

معلوم ہی ہے[2] کہ ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا مورت ہو[3]۔

۱۔ پچھلی روایت میں جو واقعہ بیان ہوا ہے، اُس میں جبریل علیہ السلام نے کتے کو نکال دینے کی ہدایت کی تھی۔ اُسی سے آپ کو خیال ہوا کہ اِس موقع پر بھی غالباً یہی کتا اُن کے آنے میں مانع ہو گیا ہے، لہٰذا آپ نے یہ حکم دیا۔

۲۔ 'أَمَا عَلِمْتَ' یا اِس کے ہم معنی الفاظ، ہمارے نزدیک یہاں مقدر ہیں، اِس لیے کہ اِس طرح کی بات دوسری مرتبہ کہی جائے گی تو اِسی مفہوم میں ہو گی۔ آگے سیدہ میمونہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اُس کے بعض طریقوں میں دیکھیے تو یہ الفاظ صراحتاً مذکور ہیں۔ اِس کا حوالہ روایت کے تحت متن کے حواشی میں دیکھ لیا جا سکتا ہے۔ ہم نے اِسی بنا پر ترجمے میں اِنھیں کھول دیا ہے۔

۳۔ یہ جبریل علیہ السلام نے اُس اندیشے کی تصدیق کر دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پلنگ کے نیچے کتا دیکھ کر ہوا تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن اصلاً صحیح مسلم، رقم ۲۱۰۴ سے لیا گیا ہے۔ اِس کی راوی تنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اِس کے باقی طرق تعبیر کے کچھ فرق کے ساتھ اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: احادیث اسماعیل بن جعفر، رقم ۱۹۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۵۱۹۳۔ مسند اسحاق، رقم ۱۰۸۱۔ مسند احمد، رقم ۲۵۱۰۰۔ صحیح مسلم، رقم ۲۱۰۴۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۶۵۱۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۴۵۰۸۔ شرح مشکل الآثار طحاوی، رقم ۸۸۵، ۴۶۶۹۔

۲۔ احادیث اسماعیل بن جعفر، رقم ۱۹۴ میں یہاں 'فَجَاءَتْ تِلْكَ السَّاعَةُ' ''پھر وہ وقت آ گیا'' کے بجائے 'فَذَهَبَتْ تِلْكَ السَّاعَةُ' ''پھر وہ وقت گزر گیا'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۳۔ بعض طرق، مثلاً مسند اسحاق، رقم ۱۰۸۱ میں یہاں 'تَحْتَ سَرِيرِ عَائِشَةَ' ''عائشہ کے پلنگ کے نیچے'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۴۔ بعض طرق، مثلاً مسند اسحاق، رقم ۱۰۸۱ میں اِس کی تفصیل اِس طرح بیان ہوئی ہے: 'فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَقِيَهُ قَائِمًا بِالْبَابِ' ''پھر آپ باہر نکلے تو دروازے پر اُن سے ملاقات ہوئی، وہ وہیں کھڑے تھے''۔

۵۔ مسند احمد، رقم ۲۵۱۰۰ میں یہاں اِن کے بجاے یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں: 'إِنِّي انْتَظَرْتُكَ لِمِيعَادِكَ' ''آپ کے دیے گئے وقت پر میں آپ کی آمد کا منتظر رہا''۔

۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۵۱۹۳۔

— ۷ —

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ:[1] دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَآبَةُ فَقُلْتُ: مَا لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "إِنَّ جِبْرِيْلَ وَعَدَنِي أَنْ يَأْتِيَنِي، فَلَمْ يَأْتِنِي مُنْذُ ثَلَاثٍ"، فَجَأَرَ كَلْبٌ، قَالَ أُسَامَةُ: فَوَضَعْتُ يَدِي عَلٰى رَأْسِي، وَصِحْتُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "مَا لَكَ يَا أُسَامَةُ؟" قُلْتُ: جَأَرَ كَلْبٌ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهِ، فَقُتِلَ، فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَهَشَّ إِلَيْهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا لَكَ أَبْطَأْتَ، وَقَدْ كُنْتَ إِذَا وَعَدْتَنِي لَمْ تُخْلِفْنِي؟"، فَقَالَ: "إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ، وَلَا تَصَاوِيْرُ".

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ایک مرتبہ غم کے آثار تھے۔ میں نے دیکھا تو پوچھا: یارسول اللہ، کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھ سے آنے کا وعدہ کیا تھا، مگر تین دن سے منتظر ہوں، وہ آئے نہیں۔ اتنے میں ایک کتے نے آواز نکالی۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا اور چیخ پڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوچھنے لگے: اسامہ، کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: کسی کتے کی آواز ہے۔[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو اُس کو مارنے کی ہدایت کردی اور وہ مار دیا گیا۔[2] اتنے میں جبریل علیہ السلام سامنے آ گئے تو آپ خوش ہو کر اُن کی طرف لپکے اور پوچھا: جبریل، آپ جب بھی وعدہ کرتے رہے ہیں، آپ نے کبھی اُس کی خلاف ورزی

نہیں کی۔ اِس پر جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں۔

۱۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کے اِس ردعمل سے معلوم ہوا کہ دوسرے صحابہ کی طرح جن کی روایتیں پیچھے نقل ہوئی ہیں، وہ بھی پہلے سے واقف تھے کہ اِس طرح کے کتوں کی موجودگی فرشتوں کے آنے میں مانع ہوجاتی ہے۔

۲۔ آپ کی طرف سے کتے کو محض نکال دینے کے بجاے اِس سخت اقدام کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ ایک کتا کئی مرتبہ جبریل امین کے ساتھ آپ کی ملاقات میں مانع ہوگیا تھا، جیسا کہ آگے جبریل علیہ السلام نے اِس کی تصدیق فرمائی ہے۔

متن کے حواشی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۔ اِس روایت کا متن مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۵۲۰۲ سے لیا گیا ہے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ واقعہ کچھ اجمال اور الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی نقل ہوا ہے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ سے اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند طیالسی، رقم ۶۶۱۔ مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۱۶۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۹۹۲۲۔ مسند احمد، رقم ۲۱۷۷۲، ۲۱۷۷۳۔ مسند بزار، رقم ۲۵۹۰۔ شرح معانی الآثار، طحاوی، رقم ۶۹۲۰۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اِس کے شواہد اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: صحیح بخاری، رقم ۳۲۲۷، ۵۹۶۰۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۵۳۴۰۔ شرح معانی الآثار، طحاوی، رقم ۶۹۲۲۔

۸

أَخبَرَتُ مَيمُونَةُ[1] [زَوجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ[2]]، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ أَصبَحَ يَومًا وَاجِمًا،[3] فَقَالَتُ مَيمُونَةُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَقَدِ استَنكَرتُ هَيئَتَكَ مُنذُ اليَومِ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: ”إِنَّ جِبرِيلَ كَانَ وَعَدَنِي أَنْ يَلقَانِي اللَّيلَةَ فَلَم يَلقَنِي، أَمَ وَاللّٰهِ مَا أَخلَفَنِي [قَطُّ[4]]“، قَالَتُ: فَظَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَومَهُ ذٰلِكَ عَلٰى ذٰلِكَ، ثُمَّ وَقَعَ

فِيْ نَفْسِهِ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَنَا،[۵] فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهِ مَاءً فَنَضَحَ مَكَانَهُ،[۶] فَلَمَّا أَمْسَى لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ لَهُ: ”قَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِيْ أَنْ تَلْقَانِي الْبَارِحَةَ، [وَمَا أَخْلَفْتَنِيْ قَطُّ[۷]] [فَلَمْ أَرَكَ؟[۸]]“، قَالَ: ”أَجَلْ، وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ“،[۹] فَأَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ فَأَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، حَتّٰى إِنَّهُ يَأْمُرُ بِقَتْلِ كَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِيْرِ، وَيَتْرُكُ كَلْبَ الْحَائِطِ الْكَبِيْرِ.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے تو کچھ غم زدہ اور اداس سے تھے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ، میں آج صبح سے آپ کی صورت اتری ہوئی دیکھ رہی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل امین نے آج رات مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا، مگر وہ آئے نہیں۔ خدا کی قسم، اُنھوں نے کبھی وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اُن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ پورا دن اِسی طرح رہے۔ پھر آپ کو خیال ہوا کہ کتے کا ایک پلا ہمارے خیمے کے نیچے تھا۔ چنانچہ آپ نے ہدایت کی اور اُس کو نکال دیا گیا۔[۱] اِس کے بعد آپ نے ہاتھ میں پانی لیا اور اُس کو اُس جگہ چھڑک دیا۔ پھر جب شام ہوئی تو جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کے لیے آ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: آپ نے مجھ سے پچھلی رات ملاقات کا وعدہ کیا تھا اور آپ نے میرے ساتھ کبھی وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی، مگر اِس مرتبہ کیا ہوا کہ وعدے کے وقت پر آپ دکھائی نہیں دیے؟ اُنھوں نے فرمایا: آپ صحیح کہتے ہیں، لیکن آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا کوئی مورت ہو۔[۲] چنانچہ اُس روز صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سارے کتے مار دیے جائیں،[۳] یہاں تک کہ چھوٹے باغوں میں رکھوالی کے کتوں کو بھی آپ مارنے کے لیے کہہ رہے تھے اور صرف بڑے باغوں کے کتے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

چھوڑ رہے تھے۔[۴]

۱۔ یہ ایک اور واقعہ ہے۔ تاہم ابھی اِس بات کی تصدیق باقی تھی کہ اِس مرتبہ بھی کیا یہی کتا جبریل علیہ السلام کے آنے میں مانع ہوا ہے؟

۲۔ اِس سے تصدیق ہو گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اندیشہ صحیح تھا، جس کی بنا پر آپ کا خیال خیمے کے نیچے چھپے ہوئے کتے کی طرف گیا۔

۳۔ جبریل امین کی ملاقات میں اِس طرح بار بار کتوں کو مانع دیکھ کر اُن کے مارنے کا یہ حکم جس کیفیت میں دیا گیا ہے، وہ کسی حد تک اُس سے ملتی جلتی معلوم ہوتی ہے جو سیدنا سلیمان علیہ السلام پر گھوڑوں کے معاملے میں طاری ہو گئی تھی، جب آپ کی نماز اُن کی پریڈ دیکھنے میں قضا ہو گئی، ورنہ اللہ کے پیغمبر جانوروں کے لیے بھی سراپا شفقت ہوتے ہیں۔ سیدنا سلیمان کا یہ واقعہ قرآن کی سورۂ ص (۳۸) میں اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے۔ اللہ اور اُس کے فرشتوں سے متعلق جذباتِ محبت کی شدت میں اِس طرح کی کیفیات بعض اوقات انبیا علیہم السلام پر بھی طاری ہو جاتی ہیں، اِن سے کتوں کو علی العموم مار دینے یا اُن سے نفرت رکھنے کا کوئی حکم اخذ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ روایت کی نسبت اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے تو یہ شدید رنج اور اُس کے نتیجے میں غلبۂ حال کی ایک صورت ہے جسے دین و شریعت کے کسی حکم یا دین سے متعلق آپ کے کسی اُسوہ کا ماخذ نہیں بنایا جا سکتا۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس طرح کی ایک کیفیت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر بھی حضور کی وفات کا سن کر طاری ہو گئی تھی، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فوراً معاملے کو سنبھال لینے کی وجہ سے آگے کسی اقدام کی نوبت نہیں آئی۔

۴۔ یعنی اِس کیفیت میں بھی ملحوظ تھا کہ آپ کا یہ اقدام لوگوں کے لیے کسی بڑے نقصان کا باعث نہ بن جائے، اِس لیے کہ چھوٹے باغ تو نگاہ کے سامنے ہوتے، لیکن دور دور تک پھیلے ہوئے بڑے باغوں کی حفاظت اُس زمانے میں رکھوالی کے تربیت یافتہ کتے ہی کر سکتے تھے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن اصلاً صحیح مسلم، رقم ۲۱۰۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کی راوی تنہا میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ تعبیر اور اجمال و تفصیل کے کچھ فرق کے ساتھ اِس کے باقی طرق جن مصادر میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند احمد، رقم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۶۸۰۰۔سنن ابی داود، رقم ۴۱۵۷۔السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۹۷۶۹، ۶۷۷۷۔السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۴۲۷۶، ۴۲۸۳۔مسند ابی یعلیٰ، رقم ۷۰۹۳، ۷۱۱۲۔صحیح ابن خزیمہ، رقم ۲۹۹۔صحیح ابن حبان، رقم ۵۶۴۹، ۵۸۵۶۔المعجم الاوسط،طبرانی،رقم ۷۳۴۸۷، ۹۱۷۱۔المعجم الصغیر،طبرانی،رقم ۳۹۴۔المعجم الکبیر،طبرانی،رقم ۳۲، ۱۰۴۶، ۱۰۴۸۔السنن الکبریٰ،بیہقی،رقم ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۴۲۴۵۔

۲۔سنن ابی داود، رقم ۴۱۵۷۔

۳۔بعض طرق،مثلاً مسند احمد، رقم ۲۶۸۰۰ میں یہاں 'وَاجِمًا' کے بجائے 'خَاثِرًا' کا لفظ آیا ہے۔معنی کے اعتبار سے دونوں مترادف ہیں۔

۴۔المعجم الصغیر،طبرانی، رقم ۳۹۴۔

۵۔بعض طرق ،مثلاً السنن الکبریٰ ،نسائی ،رقم ۶۷۷۷ میں یہاں 'تَحتَ نَضَدٍ لَنَا'' ہمارے ایک تخت کے نیچے'' کے الفاظ آئے ہیں،جب کہ بعض طرق،مثلاً سنن ابی داود، رقم ۴۱۵۷ میں یہاں 'تَحتَ بِسَاطٍ لَنَا'' ہمارے ایک بچھونے کے نیچے'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۶۔یہ بات روایت کے مختلف طرق میں متنوع تعبیرات کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔مسند احمد، رقم ۲۶۸۰۰ میں ہے: 'ثُمَّ أَخذَ مَاءً، فَرَشَّ مَكَانَهُ'۔بعض طرق،مثلاً مسند ابی یعلیٰ ،رقم ۷۰۹۳ میں یہاں یہ الفاظ آئے ہیں:'فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَى اللّٰه عَلَيهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ المَكَانِ فَغُسِلَ بِالمَاءِ'،جب کہ مسند ابی یعلیٰ ہی کے رقم ۷۱۱۲ میں یہ تعبیر نقل ہوئی ہے:'وَأَمَرَ بِمَاءٍ فَنَضَحَ مَكَانَهُ بِيَدِهِ'۔

۷۔المعجم الصغیر،طبرانی، رقم ۳۹۴۔

۸۔مسند احمد، رقم ۲۶۸۰۰۔

۹۔بعض طرق،مثلاً المعجم الاوسط،طبرانی، رقم ۷۳۴۸۷ میں جبریل علیہ السلام کا یہ جملہ، استفہامیہ اسلوب میں اِس طرح نقل ہوا ہے:'أَمَا عَلِمتَ أَنَّا لَا نَدخُلُ بَيتًا فِيهِ كَلبٌ وَلَا صُورَةٌ ؟'' کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے ،جس میں کتا ہو اور نہ اُس میں، جہاں تصویر ہو؟''۔

المصادر والمراجع

ابن أبي شيبة أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي. (۱۹۹۷م). **المسند.** ط۱. تحقيق: عادل

بن يوسف العزازي وأحمد بن فريد المزيدي. الرياض: دار الوطن.

ابن أبي شيبة أبو بكر عبد اللّٰه بن محمد العبسي. (١٤٠٩هـ). **المصنف في الأحاديث والآثار.** ط١. تحقيق: كمال يوسف الحوت. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن الجعد علي بن الجعد بن عبيد الجَوْهَري البغدادي. (١٤١٠هـ/ ١٩٩٠م). **المسند.** ط١. تحقيق: عامر أحمد حيدر. بيروت: مؤسسة نادر.

ابن جُمَيْع أبو الحسين محمد بن أحمد الغساني الصيداوي. (١٤٠٥هـ). **معجم الشيوخ.** ط١. تحقيق: د. عمر عبد السلام تدمري. طرابلس: دار الإيمان.

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان البُستي. (١٤١٤هـ/ ١٩٩٣م). **الصحيح.** ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان البُستي. (١٣٩٦هـ). **المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين.** ط١. تحقيق: محمود إبراهيم زايد. حلب: دار الوعي.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٦هـ/ ١٩٨٦م). **تقريب التهذيب.** ط١. تحقيق: محمد عوامة. سوريا: دار الرشيد.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٤هـ/ ١٩٨٤م). **تهذيب التهذيب.** ط١. بيروت: دار الفكر.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري.** د.ط. بيروت: دار المعرفة.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (٢٠٠٢م). **لسان الميزان.** ط١. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. د.م: دار البشائر الإسلامية.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤١٩هـ). **المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية.** ط١. تحقيق: (١٧) رسالة علمية قدمت لجامعة الإمام محمد بن سعود. تنسيق: د. سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشثري. السعودية: دار العاصمة.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ابن خزيمة أبو بكر محمد بن إسحاق النيسابوري. (د.ت). **الصحيح**. د.ط. تحقيق: د. محمد مصطفى الأعظمي. بيروت: المكتب الإسلامي.

ابن راهويه إسحاق بن إبراهيم الحنظلي المروزي. (١٤١٢هـ/ ١٩٩١م). **المسند**. ط١. تحقيق: د. عبد الغفور بن عبد الحق البلوشي. المدينة المنورة: مكتبة الإيمان.

ابن ماجه أبو عبد الله محمد القزويني. (د.ت). **السنن**. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي د.م: دار إحياء الكتب العربية.

ابن المَلَك محمد بن عز الدين الرومي الكرماني الحنفي. (١٤٣٣هـ/ ٢٠١٢م). **شرح مصابيح السنة للإمام البغوي**. ط١. تحقيق ودراسة: لجنة مختصة من المحققين بإشراف: نور الدين طالب. د.ن: إدارة الثقافة الإسلامية.

أبو داود سليمان بن الأشعث السِّجِسْتاني. (د.ت). **السنن**. د.ط. تحقيق: محمد محيي الدين عبد الحميد. بيروت: المكتبة العصرية.

أبو عوانة يعقوب بن إسحاق الإسفراييني النيسابوري. (١٤١٩هـ/ ١٩٩٨م). **المستخرج**. ط١. تحقيق: أيمن بن عارف الدمشقي. بيروت: دار المعرفة.

أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني. (١٤١٩هـ/ ١٩٩٨م). **معرفة الصحابة**. ط١. تحقيق: عادل بن يوسف العزازي. الرياض: دار الوطن للنشر.

أبو يعلى أحمد بن علي التميمي الموصلي. (١٤٠٤هـ/ ١٩٨٤م). **المسند**. ط١. تحقيق: حسين سليم أسد. دمشق: دار المأمون للتراث.

أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم الأنصاري. د.ت. **الآثار**. د.ط. تحقيق: أبو الوفا. بيروت: دار الكتب العلمية.

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني. (١٤٢١هـ/ ٢٠٠١م). **المسند**. ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط، وعادل مرشد، وآخرون. بيروت: مؤسسة الرسالة.

إسماعيل بن جعفر بن أبي كثير أبو إسحاق الأنصاري المدني. (١٤١٨هـ/ ١٩٩٨م).

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حديث علي بن حجر السعدي عن إسماعيل بن جعفر المدني. ط ١. دراسة وتحقيق: عمر بن رفود بن رفيد السّفياني. الرياض: مكتبة الرشد للنشر.

البخاري محمد بن إسماعيل أبو عبد اللّٰه الجعفي. (١٤٢٢هـ). **الجامع الصحيح**. ط ١. تحقيق: محمد زهير بن ناصر الناصر. بيروت: دار طوق النجاة.

البزار أبو بكر أحمد بن عمرو العتكي. (٢٠٠٩م). **المسند**. ط ١. تحقيق: محفوظ الرحمن زين اللّٰه، وعادل بن سعد، وصبري عبد الخالق الشافعي. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤١٠هـ/ ١٩٨٩م). **السنن الصغرى**. ط ١. تحقيق: عبد المعطي أمين قلعجي. كراتشي: جامعة الدراسات الإسلامية.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٢٤هـ/ ٢٠٠٣م). **السنن الكبرى**. ط٣. تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. بيروت: دار الكتب العلمية.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٢٣هـ/ ٢٠٠٣م). **شعب الإيمان**. ط ١. تحقيق: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد. الرياض: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤١٢هـ/ ١٩٩١م). **معرفة السنن والآثار**. ط ١. تحقيق: عبد المعطي أمين قلعجي. القاهرة: دار الوفاء.

الترمذي أبو عيسى محمد بن عيسى. (١٣٩٥هـ/ ١٩٧٥م). **السنن**. ط ٢. تحقيق وتعليق: أحمد محمد شاكر، ومحمد فؤاد عبد الباقي، وإبراهيم عطوة عوض. مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي.

تمام بن محمد أبو القاسم الرازي البجلي. (١٤١٢هـ). **الفوائد**. ط ١. تحقيق: حمدى عبد المجيد السلفي. الرياض: مكتبة الرشد.

الحاكم أبو عبد اللّٰه محمد بن عبد اللّٰه النيسابوري. (١٤١١هـ/ ١٩٩٠م). **المستدرك**

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

على الصحيحين. ط١. تحقيق: مصطفى عبد القادر عطاء. بيروت: دار الكتب العلمية.

الحميدي أبو بكر عبد الله بن الزبير القرشي الأسدي. (١٩٩٦م). **المسند**. ط١. تحقيق وتخريج: حسن سليم أسد الداراني. دمشق: دار السقا.

الخطابي أبو سليمان حمد بن محمد الخطاب البستي. (١٣٥١هـ/ ١٩٣٢م). **معالم السنن**. ط١. حلب: المطبعة العلمية.

الدارمي، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن، التميمي. (١٤١٢هـ/ ٢٠٠٠م). **سنن الدارمي**. ط١. تحقيق: حسين سليم أسد الداراني. الرياض: دار المغني للنشر والتوزيع.

الذهبي شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد. (١٤٠٥هـ/ ١٩٨٥م). **سير أعلام النبلاء**. ط٣. تحقيق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرنؤوط. د.م: مؤسسة الرسالة.

الذهبي شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد. (١٤١٣هـ/ ١٩٩٢م). **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة**. ط١. تحقيق: محمد عوامة أحمد محمد نمر الخطيب. جدة: دار القبلة للثقافة الإسلامية – مؤسسة علوم القرآن.

الرُّوياني أبو بكر محمد بن هارون. (١٤١٦هـ) **المسند**. ط١. تحقيق: أيمن على أبو يمانى. القاهرة: مؤسسة قرطبة.

السيوطي جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر. (١٤١٦هـ/١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج**. ط١. تحقيق وتعليق: أبو اسحق الحويني الأثري. الخبر: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي أبو سعيد الهيثم بن كليب البِنكُثي. (١٤١٠هـ). **المسند**. ط١. تحقيق: د.محفوظ الرحمن زين الله. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (١٤٠٥هـ/١٩٨٤م). **مسند الشاميين**. ط١. تحقيق: حمدي بن عبدالمجيد السلفي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (د.ت). **المعجم الأوسط**. د.ط. تحقيق: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني. القاهرة: دار الحرمين.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **المعجم الصغير**. ط١. تحقيق: محمد شكور محمود الحاج أمرير. بيروت: المكتب الإسلامي.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (د.ت). **المعجم الكبير**. ط٢. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. القاهرة: مكتبة ابن تيمية.

الطحاوي أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي المصري. (١٤١٥هـ/١٩٩٤م). **شرح مشكل الآثار**. ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

الطحاوي أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي المصري. (١٤١٤هـ/١٩٩٤م). **شرح معاني الآثار**. ط١. تحقيق: محمد زهري النجار ومحمد سيد جاد الحق. د.م: عالم الكتب.

الطيالسي أبو داود سليمان بن داود البصري. (١٤١٩هـ/١٩٩٩م). **المسند**. ط١. تحقيق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي. مصر: دار هجر.

الطيبي شرف الدين الحسين بن عبد الله. (١٤١٧هـ/١٩٩٧م). **الكاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي على مشكاة المصابيح**. ط١. تحقيق: د. عبد الحميد هنداوي. مكة المكرمة: مكتبة نزار مصطفى الباز.

العيني بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد الغيتابي الحنفي. (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م). **شرح سنن أبي داود**. ط١. تحقيق: أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصري. الرياض: مكتبة الرشد.

العيني بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد الغيتابي الحنفي. (د.ت). **عمدة القاري شرح صحيح البخاري**. د.ط. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

القاضي عياض بن موسى أبو الفضل اليحصبي. (١٤١٩هـ/١٩٩٨م). **إكمال المعلم بفوائد مسلم**. ط١. تحقيق: الدكتور يحيى إسماعيل. مصر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الكشميري محمد أنور شاه بن معظم شاه الهندي ثم الديوبندي. (١٤٢٦هـ/ ٢٠٠٥م).
فيض الباري على صحيح البخاري. ط١. تحقيق: محمد بدر عالم الميرتهي. بيروت: دار الكتب العلمية.

مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني. (١٤٢٥هـ/٢٠٠٤م). **الموطا.** ط١. تحقيق: محمد مصطفى الأعظمي. أبو ظبي. مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية.

مسلم بن الحجاج النيسابوري. (د.ت). **الجامع الصحيح.** د.ط. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

المُظهري الحسين بن محمود مظهر الدين الكوفي الشيرازي الحنفي. (١٤٣٣هـ/٢٠١٢م).
المفاتيح في شرح المصابيح. ط١. تحقيق ودراسة: لجنة مختصة من المحققين بإشراف: نور الدين طالب. وزارة الأوقاف الكويتية: دار النوادر، وهو من إصدارات إدارة الثقافة الإسلامية.

معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي البصري. (١٤٠٣هـ). **الجامع.** ط٢. تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي. بيروت: توزيع المكتب الإسلامي.

الملا القاري علي بن سلطان محمد أبو الحسن الهروي. (١٤٢٢هـ/٢٠٠٢م). **مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح.** ط١. بيروت: دار الفكر.

المناوي زين الدين محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفين القاهري. (١٤٠٨هـ/١٩٨٨م).
التيسير بشرح الجامع الصغير. ط٣. الرياض: مكتبة الإمام الشافعي.

المناوي زين الدين محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفين القاهري. (١٣٥٦هـ) **فيض القدير شرح الجامع الصغير.** ط١. مصر: المكتبة التجارية الكبرى.

النسائي أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب الخراساني. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنن الصغرى.** ط٢. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

النسائي أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب الخراساني. (١٤٢١هـ/٢٠٠١م). **السنن الكبرى.**
ط١. تحقيق وتخريج: حسن عبد المنعم شلبي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

النووي أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف. (١٤٢٨هـ/٢٠٠٧م). **الإيجاز في شرح سنن أبي داود.** ط١. تقديم وتعليق وتخريج: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان. عمان – الأردن: الدار الأثرية.

النووي يحيى بن شرف أبو زكريا. (١٣٩٢هـ). **المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج.**
ط٢. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

(۴)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جنگ موتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ (۶۲۹ء): سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: زید بن حارثہ، جعفر بن ابوطالب اور عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے چہرۂ مبارک پر غم کے آثار نظر آ رہے تھے۔ میں دروازے کی درز سے جھانک رہی تھی، ایک شخص (نام معلوم نہیں ہو سکا) آیا اور حضرت جعفر کے گھر کی عورتوں کے رونے دھونے کا ذکر کیا۔ آپ نے انھیں منع کرنے کا حکم دیا۔ وہ دوبارہ آیا اور بتایا: وہ کہا نہیں مان رہیں۔ آپ نے اسے پھر روکنے کو کہا۔ وہ تیسری دفعہ آیا اور کہا: ان عورتوں نے مجھے مغلوب کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ان کے مونہوں میں خاک ڈال دو۔ حضرت عائشہ نے اس شخص سے فرمایا: اللہ تجھے خاک آلود کرے! تو عورتوں کو روک سکا ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے سے باز آیا ہے (بخاری، رقم ۴۲۶۳۔ مسلم، رقم ۲۱۱۷)۔

فتح مکہ

قریش مکہ کی خلاف ورزی پر حدیبیہ کا معاہدۂ صلح ٹوٹ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ فتح کی تیاری شروع کر دی۔ آپ نے حضرت عائشہ کو اخفا سے کام لینے کا حکم دیا۔ اس اثنا میں حضرت ابوبکر حضرت عائشہ سے ملنے

آئے تو دیکھا کہ گندم چھانی اور صاف کی جا رہی ہے۔ پوچھا: بیٹی، کیا تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ پوچھا: کیا رومیوں سے جنگ کا ارادہ ہے؟ حضرت عائشہ نے کچھ نہ بتایا۔ کیا قریش پر حملے کی تیاری ہے؟ وہ پھر چپ رہیں۔ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور حضرت ابوبکر کو بتایا کہ قریش کو زیر کرنا مقصود ہے۔

حجۃ الوداع

۹ھ: ۲۵/ ذی قعد کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے جلو میں مدینہ کے میقات ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر حجۃ الوداع کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے حج قران کی نیت کی تھی، اس لیے قربانی کے اونٹ ساتھ لائے تھے۔ حضرت علی یمن سے پہنچے تھے، ان کے پاس بھی ہدی کا جانور تھا (بخاری، رقم ۱۶۵۱)۔ حضرت عائشہ اور دوسری ازواج کا ارادہ حج تمتع کا تھا۔ مکہ کے قریبی مقام سرف پر پہنچے تو آپ نے قربانی نہ لانے والے صحابہ کو عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم ارشاد کیا۔ چنانچہ ان سب نے طواف کر کے بال کٹوائے اور احرام کھول دیے (بخاری، رقم ۱۷۸۵)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت طلحہ اور حضرت علی نے احرام باندھے رکھے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور اصحاب کے پاس بھی قربانی کے اونٹ تھے اور انھوں نے بھی حج قران کیا (بخاری، رقم ۱۷۸۸)۔ تاہم حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق آپ نے آرزو فرمائی، اگر مجھے بعد میں پیش آنے والے واقعات پہلے سے معلوم ہوتے تو میں ہدی نہ لاتا اور عمرہ کر کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ احرام کھول دیتا (بخاری، رقم ۷۲۲۹)۔ اسی روز حضرت عائشہ کے ایام ماہواری شروع ہو گئے تو وہ رونے لگ گئیں اور کہا: کاش! میں اس سال سفر حج میں آپ کے ساتھ نہ آتی۔ لوگ حج سے قبل طواف کر کے احرام کھول چکے اور میں عمرہ بھی نہیں کر سکی۔ آپ نے فرمایا: لگتا ہے تم ایام سے ہو۔ یہ ایسا امر ہے جو اللہ نے بنات آدم (وحوا) کے لیے لازم کر دیا ہے۔ ۹/ ذی الحجہ (یوم عرفہ) کی رات آپ نے فرمایا: تم طواف کے علاوہ حج کے تمام افعال ادا کرنا۔ طہر ہو جائے تو سر کے بال کھول کر غسل اور کنگھی کرنے کے بعد حج وعمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھ لینا، دونوں کے لیے ایک ہی طواف وسعی کی ضرورت ہو گی (بخاری، رقم ۱۵۶۰)۔ اس طرح حضرت عائشہ بھی قارنہ ہو گئیں۔ منیٰ میں وہ حیض سے پاک ہوئیں۔ یوم نحر کو گائے کا بہت سا گوشت حضرت عائشہ کے کمرے میں رکھ دیا گیا۔ پوچھا: یہ کیسا گوشت ہے؟ لوگوں نے بتایا: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی جانب سے قربانی دی ہے (بخاری، رقم ۱۷۰۹)۔ حضرت عائشہ نے

کہا: یارسول اللہ، آپ کے صحابہ تو حج وعمرہ کا ثواب لے چلے اور میں صرف حج کر سکی ہوں۔ آپ نے منیٰ سے لوٹنے کے بعد چودہ ذی الحجہ کی رات انھیں ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے ساتھ مکہ کے مقام تنعیم سے رہ جانے والا عمرہ کرنے کی اجازت دے دی۔ آج کل یہاں مسجد عائشہ ہے۔ اس دوران میں آپ ابطح میں ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ وہ آئیں تو آپ نے مدینہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری، رقم ۱۷۸۸، ۲۹۸۳۔ مسلم، رقم ۱۲۱۱)۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: حجۃ الوداع کے دوران میں حضرت صفیہ بنت حیی بھی ایام سے ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو ہمیں روک ہی لے گی۔ میں نے بتایا کہ وہ منیٰ سے آکر طواف افاضہ (طواف زیارت) کر چکی ہیں تو آپ نے فرمایا: پھر وہ ہمارے ساتھ مدینہ کے لیے نکلے، (طواف وداع کی ضرورت نہیں۔ بخاری، رقم ۴۴۰۱)۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی۔ آپ رات کو ازواج کے پاس جاتے اور صبح احرام باندھ لیتے، خوشبو ابھی جسم اطہر سے پھیل رہی ہوتی (مسلم، رقم ۱۱۹۲)۔ حضرت عبداللہ بن عمر حالت احرام میں خوشبو لگانا مکروہ سمجھتے تھے، لیکن حضرت عائشہ سے کئی روایات مروی ہیں کہ وہ آپ کو حالت حل واحرام میں بہترین خوشبو لگاتی تھیں (بخاری، رقم ۱۵۳۹۔ مسلم، رقم ۱۱۹۱۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۸۹۵۴)۔ دوسری روایت میں حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت حل واحرام میں مختلف اجزا سے تیار کردہ ذریرہ کی مرکب خوشبو لگائی (بخاری، رقم ۵۹۳۰)۔ ذریرہ کے دوسرے معنی عطر ہندی کے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

غلاموں کی آزادی اور حضرت عائشہ

غزوۂ عیینہ بن حصن میں کفار کے کچھ لوگ مارے گئے اور کچھ قید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوعنبر کے اسیروں میں سے ایک حضرت عائشہ کو دیا جو انھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کی جانب سے آزاد کر دیا۔

حضرت عائشہ کے پاس بنوتمیم کی ایک عورت جنگی قیدی بن کر آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: بنوتمیم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ آپ کے پاس بنوتمیم کے صدقات آئے تو فرمایا: یہ میری قوم کے صدقات ہیں (بخاری، رقم ۲۵۴۳)۔

حضرت بریرہ ابواحمد بن جحش کی باندی تھیں۔ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے وہ ابواحمد کی عائد کردہ رقم (بدل کتابت) اکٹھی کر رہی تھیں۔ وہ حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور کہا: میں نے نو اوقیہ سونے پر مکاتبت کی

ہے۔ ہر سال ایک اوقیہ (ایک اونس، سوا اٹھائیس گرام) دینا ہوگا۔ ابھی پانچ اوقیہ رہتے ہیں، آپ میری مدد کریں۔ انھوں نے کہا: اگر تو چاہے تو میں تیرے مالک کو کتابت کی رقم دے دیتی ہوں، مگر حق موالات (وراثت) مجھے حاصل ہوگا۔ حضرت بریرہ کے مالک آمادہ نہ ہوئے اور کہا: آپ بدل کتابت دے کر بے شک اسے آزاد کر دیں، لیکن ترکے کا حق ہمیں ہی ہوگا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو حضرت عائشہ نے اس معاملے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو۔ حق موالات اسی کا ہوتا ہے جو غلام کو آزاد کرے (بخاری، رقم ۲۱۶۸، ۲۵۶۰)۔ اس طرح حضرت بریرہ کا تعلق موالات (حق وراثت) حضرت عائشہ سے قائم ہو گیا۔ آزادی کے بعد حضرت بریرہ نے اپنے خاوند سے بھی علیحدگی اختیار کر لی (بخاری، رقم ۲۵۳۶)۔

ذکوان حضرت عائشہ کے غلام مدبر تھے، انھوں نے وصیت کر رکھی تھی کہ میری تدفین کے بعد میرے غلام ذکوان کو آزاد کر دیا جائے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

راز کی بات اور آیت تحریم

۹ھ: اللہ کا ارشاد ہے: 'يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'، ''اے نبی، آپ (قسم کھا کر) وہ شے (اپنے اوپر) کیوں حرام کر رہے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر رکھی ہے؟ (کیا یوں) اپنی بیویوں کی دل جوئی کرنا چاہتے ہیں؟ اللہ معاف کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے'' (التحریم ۶۶: ۱)۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد اور مٹھائی بہت پسند تھے۔ عصر کی نماز پڑھا کر آپ اپنی ازواج کے پاس جاتے تو کسی ایک سے قربت بھی اختیار کرتے۔ ایک بار آپ نے حفصہ کے ساتھ معمول سے زیادہ وقت گزارا تو مجھے رشک آیا۔ میں نے کھوج لگایا تو پتا چلا کہ حفصہ کو ان کے قبیلے کی ایک خاتون نے شہد کا کپا تحفے میں دیا اور انھوں نے آپ کو بھی پلایا ہے۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ کوئی چال چلوں گی، چنانچہ سودہ سے کہا: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے پاس آئیں تو کہنا: کیا آپ نے مغافیر تناول کیا ہے؟ آپ کہیں گے: نہیں تو کہنا: مجھے آپ کے پاس سے یہ بو کیسی آ رہی ہے؟ آپ فرمائیں گے: مجھے حفصہ نے شہد پلایا ہے تو کہنا: شہد کی مکھی نے عرفط درخت چوسا ہوگا۔ میں نے صفیہ سے کہا: تم بھی یہی کچھ کہنا۔ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ کے حجرے میں تشریف لے آئے۔ انھوں نے آپ سے طے شدہ گفتگو کی پھر میرے پاس آئے تو میں نے وہی جملے دہرائے۔

آپ صفیہ کے گھر گئے تو انھوں نے بھی وہی باتیں کیں۔ یہ سن کر آپ کو اچھا نہ لگا، کیونکہ آپ ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ دہن مبارک یا کپڑوں سے بد بو نہ آئے۔ فرمایا: میں نے مغافیر نہیں، زینب کے ہاں شہد کھایا ہے۔ قسم کھاتا ہوں کہ آیندہ کبھی نہیں کھاؤں گا، لیکن تم یہ بات کسی کو مت بتانا اگلے روز آپ حضرت حفصہ کے ہاں گئے تو انھوں نے پوچھا: میں آپ کو شہد نہ دوں؟ فرمایا: مجھے اس کی چنداں ضرورت نہیں (بخاری، رقم ۴۹۱۲، ۵۲۶۸)۔ مغافیر (گندہ بروزہ یا فیروزہ) وہ گوند ہے جو حجاز کے (ببول سے ملتے جلتے) ایک کانٹے دار درخت عرفط سے نکلتا ہے اور اس میں کچھ بساند ہوتی ہے۔ شہد کی مکھیاں اس درخت پر بھی بیٹھتی ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حفصہ سے ہونے والے اسی طرح کے ایک نزاع میں آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا۔

ارشاد ربانی ہے: 'وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ'، ''جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کی اور پھر جب اس نے اسے افشا کر دیا اور اللہ نے نبی کو اس پر مطلع کر دیا تو نبی نے کچھ بات بتا دی اور کچھ ٹال دی۔ پھر جب آپ نے اس زوجہ سے اس بات کا ذکر کیا تو اس نے پوچھا: آپ کو یہ کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا: مجھے علم اور خبر رکھنے والے اللہ نے بتایا'' (التحریم ۶۶: ۳)۔ یہ دو ازواج حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ ہیں۔ آپ نے راز کی بات حضرت حفصہ سے کہی اور انھوں نے حضرت عائشہ سے کہہ ڈالی۔ وہ راز کی بات کیا تھی، قرآن مجید نے صیغۂ راز میں رکھی۔ پھر بھی مفسرین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ شہد نہ کھانے کی قسم کھانا ہی راز تھا۔ اس گرفت پر دونوں بیبیاں آپ سے روٹھ گئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس کو برابر یہ خواہش رہی کہ حضرت عمر سے پوچھیں، وہ دو ازواج النبی کون سی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا: 'اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا'، ''تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تو یہی بہتر ہے، تمھارے دل تو اللہ کی طرف مائل ہی ہیں'' (التحریم ۶۶: ۴)۔ آخر کار ایک حج کے موقع پر ان کے استفسار کا جواب مل گیا کہ وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہیں۔ حضرت عمر نے وضاحت کی: ہم قبیلۂ قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے۔ مدینہ آ کر جب ہم انصار کے پڑوسی بنے تو دیکھا کہ ان کی عورتیں اپنے مردوں پر غلبہ رکھتی ہیں۔ تب ہماری خواتین نے بھی انصار کی بیبیوں والی دلیری اختیار کر لی۔ ایک بار میں اپنی اہلیہ پر چلایا تو اس نے پلٹ کر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ میں نے برا منایا تو اس نے کہا: آپ نے ہمارا جواب سوال کرنا اچھا نہ سمجھا۔ واللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج (آپ کی بیٹی: بخاری، رقم ۴۹۱۳) بھی آپ کو ترت جواب دیتی ہیں اور ایک

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

(حفصہ) تو صبح سے شام تک آپ سے خفا رہتی ہے۔ میں گھبرایا کہ جس زوجۂ رسول نے ایسا کیا، وہ تو خائب وخاسر ہو گئی۔ حضرت عمر کہتے ہیں: میں فوراً اپنی بیٹی حفصہ کے پاس آیا اور پوچھا: کیا تم میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صبح سے شام تک غصہ کرتی ہے؟ انھوں نے ہاں کہا تو میں نے تنبیہ کی، کیا تجھے خوف نہیں آتا کہ اپنے رسول کے غصہ کرنے پر اللہ بھی غضب ناک ہو جائے اور تو تباہ ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت فرمایشیں نہ کیا کرو، آپ سے تکرار کرنا نہ بولنا چھوڑنا۔ اس بات سے فتنے میں نہ پڑ جانا کہ تمھاری پڑوسن عائشہ تم سے زیادہ خوب صورت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے (بخاری، رقم ۲۴۶۸)۔

اپنی بیٹی حضرت حفصہ کو متنبہ کرنے کے علاوہ حضرت عمر حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کے پاس بھی گئے۔ حضرت عائشہ نے کہا: ابن خطاب، آپ کا میرے معاملے سے کیا تعلق؟ اپنے عیبوں کی فکر کریں۔ حضرت ام سلمہ نے کہا: عمر، تعجب ہے کہ آپ ہمارے ہر کام میں دخل دیتے رہے ہیں اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی بیویوں کے معاملات میں بھی مداخلت شروع کر دی ہے؟ (بخاری، رقم ۵۸۴۳۔ مسلم، رقم ۳۶۸۵۔ موسوعہ مسند احمد، رقم ۲۶۶۸۳)۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسی اثنا میں یہ خبر پھیلی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو حضرت عمر فجر کے وقت آپ سے ملنے گئے۔ نماز پڑھا کر آپ سیڑھی کے ذریعے سے بالا خانے میں (یا حضرت ماریہ کے گھر) چلے گئے جہاں آپ نے تنہائی اختیار کی ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ گریہ کناں تھیں، اصحاب رسول بھی منبر نبوی کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔ حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حبشی غلام سے کہا کہ مجھے ملنے کی اجازت لے دو۔ تین بار درخواست کرنے کے باوجود آپ نے خاموشی اختیار کی تو حضرت عمر واپس ہونے لگے تب آپ نے انھیں کمرے میں بلا لیا۔ آپ خالی بوریے پر، کھجور کی چھال سے بھرے چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگائے لیٹے تھے۔ آپ کے نیچے کوئی بچھونا بھی نہ تھا، چٹائی کے نشان آپ کے پہلو مبارک پر نظر آ رہے تھے۔ حضرت عمر نے سلام کرنے کے بعد سوال کیا: کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ حضرت عمر نے آنکھ اٹھا کر دیکھا، آپ کے گھر میں تین کھالوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس لیے درخواست کی: اللہ سے دعا کریں کہ آپ کی امت کو بھی وسعت عطا ہو۔ آپ نے جواب فرمایا: ایران وروم کے لوگوں کو جینے کے مزے دنیوی زندگی ہی میں دے دیے گئے ہیں (بخاری، رقم ۲۴۶۸)۔ رخصت ہونے سے پہلے حضرت عمر نے آپ سے اجازت لی کہ لوگوں کو مطلع کر دیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی۔

حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو راز کی بات بتا دی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی کہ میں ایک ماہ تک ازواج کے حجروں میں نہ جاؤں گا۔ عزلت کے انتیس دن گزارنے کے بعد آپ حضرت عائشہ کے پاس گئے تو انھوں نے کہا: آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی اور ابھی ہماری گنتی انتیس تک پہنچی ہے۔ فرمایا: مہینا انتیس کا بھی ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: اسی موقع پر آیت تخییر نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تخییر کی ابتدا مجھ سے کی (بخاری، رقم ۵۱۹۱۔ مسلم، رقم ۳۶۶۵)۔

تخییر ازواج

زمین کے خزانوں کا نگران و مہتمم فرشتہ اپنی کنجیاں لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ نے آپ کو اختیار (choice) دیا ہے کہ آپ نبیؐ پادشاہ بن جائیں یا نبیؐ عبد رہنا پسند کر لیں۔ جواب فرمایا: میں تو نبیؐ بندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ایک دن بھوکا رہتا ہوں اور ایک روز پیٹ بھر لیتا ہوں۔ آپ نے دعا کی: اے اللہ، مجھے مسکینی کی زندگی اور مسکینی کی موت دینا، روز حشر مساکین کے ساتھ اٹھانا۔ آپ کا اختیار پوچھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواج مطہرات کی تخییر کا ارادہ فرمایا۔ ازواج مطہرات کا آپ سے کچھ ضرورت، کچھ آسایش کی چیزوں کا تقاضا کرنا اور سوتاپے کی وجہ سے آپ سے ناراض ہونا بھی آیت تخییر نازل ہونے کا سبب بنا (مسلم، رقم ۳۶۸۳۔ مسند احمد، رقم ۱۴۵۱۵)۔ ارشاد ربانی ہے: 'يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا. وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا'، ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے، اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی زیب وآرایش حاصل کرنا چاہتی ہو تو آؤ، میں تمھیں مال ومتاع دے کر بھلے طریقے سے رخصت کر دیتا ہوں۔ لیکن اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت میں قائم رہنے والے گھر کی طلب رکھتی ہو تو اللہ نے تم نیک بیبیوں کے لیے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے'' (الاحزاب ۳۳: ۲۸-۲۹)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخییر کی ابتدا حضرت عائشہ سے کرتے ہوئے فرمایا تھا: عائشہ، میں تم سے ایک سوال کرنے لگا ہوں۔ تم اس کا جواب اپنے والدین ابوبکر اور ام رومان سے مشورہ کیے بغیر نہ دینا۔ پھر آپ نے آیات تخییر سنائیں تو حضرت عائشہ نے کہا: اس باب میں مجھے والدین سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کا انتخاب کرتی ہوں (بخاری، رقم ۴۷۸۵۔ موسوعہ مسند احمد، رقم ۲۵۷۷۰)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اب میں تمھاری ساتھی ازواج سے یہی سوال کروں گا۔ کہا:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انھیں میرا جواب نہ بتانا۔ باقی ازواج کا جواب بھی یہی تھا (بخاری، رقم ۴۷۸۶)۔

تخییر سے تفویض تک

عہد رسالت میں تو اتنا ہی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو ایک بار اختیار (choice) دیا کہ وہ آپ کو چھوڑ کر جانا چاہیں تو چلی جائیں، تاہم اس واقعے پر ایک بڑے فقہی مسئلے کی بنا رکھ دی گئی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے اللہ و رسول کو اختیار کیا۔ آپ نے اسے کچھ شمار نہ کیا، یعنی ایک طلاق بھی واقع نہ ہوئی (بخاری، رقم ۵۲۶۲)۔ حسب معمول ایک متضاد قول بھی ان سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ کے شاگرد مسروق کہتے ہیں: مجھے کوئی پروا نہیں، اپنی بیوی کو سو بار بھی اختیار دوں اور وہ مجھے چن لے تو کچھ نہ ہو گا (بخاری، رقم ۵۲۶۳)۔ بہ فرض محال اگر ازواج مطہرات میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہونے کا فیصلہ کرتی تو آپ اسے طلاق دیتے جیسا کہ 'اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا' ''میں تمھیں مال و متاع دے کر بھلے طریقے سے رخصت کر دیتا ہوں'' کے الفاظ سے واضح ہے نہ کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دیتی۔ اسی فرمان کو مد نظر رکھتے ہوئے حسن اور قتادہ کہتے ہیں: یہ تخییر طلاق نہ تھی، بلکہ ازواج النبی کو دنیاوی زیب و آرایش اور آخرت میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کو کہا گیا۔ اہل تاویل کی اکثریت کا خیال ہے کہ زیبایش دنیا کو اختیار کر لینے کا مطلب طلاق لینا ہی ہو سکتا تھا۔ ابوبکر جصاص نے طرفین کے دلائل بیان کرنے کے بعد اکثریت کی رائے کو ترجیح دی۔ حضرت علی کا قول ہے: اگر عورت نے خاوند کے بجائے خود کو اختیار کیا تو ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ فقہاے حنفیہ نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے، تاہم ان کا کہنا ہے کہ طلاق اسی صورت میں موثر ہو گی اگر عورت ملنے والے اختیار (choice) کو فوراً اسی نشست میں استعمال کر لے۔ حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اسے ایک رجعی طلاق قرار دیا۔ علی الفور کی شرط کے ساتھ یہی شوافع کا مسلک ہے۔ امام مالک کا فتویٰ ہے، لفظ تخییر کا اطلاق تین طلاقوں ہی پر ہوتا ہے۔ فقہاے متقدمین نے تخییر طلاق کے مسئلے کو وسعت دے کر کئی شقوں اختیار، امر بالید اور مشیت میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح نیابت طلاق یا تفویض طلاق کے عنوان سے اللہ کی طرف سے مرد کو دیے گئے حق 'بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ' (اس کے ہاتھ میں سررشتۂ نکاح ہے، البقرہ ۲: ۲۳۷) کی مستقل منتقلی کی راہ ہموار ہو گئی۔

ابن حزم ظاہری واحد فقیہ ہیں جنھوں نے تفویض طلاق کا بالجزم رد کیا۔ کہتے ہیں: اس باب میں اجماع کا دعویٰ کرنا صریح جھوٹ ہے۔ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رہے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ کے اقوال تو وہ باہم متناقض ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ان سے ثابت ہی نہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت بے اصل ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے، 'امرك بيدك' (تمھارا فیصلہ تمھارے ہاتھ ہے)، 'قد ملكتك امرك' (میں نے تمھارے معاملۂ طلاق کا مالک تمھیں ہی بنا دیا ہے)، یا وہ کہتا ہے: 'اختاري' (تو اپنی راہ چن لے)۔ یہ تمام اقوال اس بات کو لازم نہیں کرتے کہ وہ اسے طلاق دے رہا ہے یا تفویض طلاق کر رہا ہے۔ اس لیے ان بیانات کی بنا پر کسی عورت کو اس کے مرد پر حرام قرار نہیں دیا جا سکتا (المحلی ۱۰/ ۱۲۴)۔

تفویض طلاق کا مسئلہ فقہ کی کتابوں سے ہوتا ہوا ہمارے ملک کے Family Law تک پہنچا تو یہ عبارت سامنے آئی:

Power to give divorce, though belonged to husband, but he could delegate said power to wife or to third person, either absolutely or conditionally and either for a particular period or permanently—

Section 7 of Muslim Family Laws Ordinance, 1961 had specifically provided such Talaq which was known as 'Talaq-i-Tafweez'—Person to whom power was so delegated, could then pronounce same accordingly—

Temporary delegation of power was irrevocable, but a permanent delegation could be revoked—Such delegation of option called `Tafweez' by husband to his wife, would confer on her power of divorcing herself—Said 'Tafweez' was of three kinds viz,

Ikhtiar, giving her the authority to Talak herself;

Amr-ba-Yed, leaving the matter in her own hand

Mashiat, giving her the option to do what she liked—

قانون جدید کی اس روشنی میں ایسے واقعات بھی سامنے آئے کہ حق تفویض سے آراستہ ایک خاتون نے اپنے خاوند کو طلاق دے ڈالی، وکلا اور روشن خیال اسکالرز نے اسے فسخ نکاح قرار دے دیا۔ دارالافتا پہنچنے پر یہ طلاق لغو ٹھیری۔

آں حضرت کی اونٹنیاں

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارا زیادہ گزر دودھ پر ہوتا تھا۔ آپ کی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دودھ دینے والی اونٹنیاں جو مدینہ سے باہر چرتی تھیں، آپ نے اپنی ازواج میں تقسیم فرما دی تھیں۔ایک اونٹنی کا نام عریس تھا جو خوب دودھ دیتی۔ عائشہ کی اونٹنی کا نام سمرا تھا جو میری اونٹنی سے زیادہ دودھ دیتی تھی۔ دوسری اونٹنیوں کے نام بردہ، یسیرہ، مہرہ، شقرا، ریا اور حنا تھے۔ان کا دودھ دوہ کر شام کو ہمارے پاس پہنچ جاتا تھا۔ایک غلام یسار جو ان کی نگہبانی کرتا تھا، اسے کفار نے قتل کر دیا تھا۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، احکام القرآن (جصاص)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، احکام القرآن (ابن عربی)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (مقالہ، امین اللہ وثیر)۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مقالات

ساجد حمید

قرآن میں تقویتِ دلالت کا اضافی اہتمام

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عام بول چال کی دلالت میں قطعیت بالعموم مانی جاتی ہے۔ روز وشب کی ہماری گفتگو میں ابلاغ مدعا کے مسائل کم ہی پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ ہماری یہ گفتگو زیادہ تر مادی امور سے متعلق ہوتی ہے۔ گرچہ ہم وہاں بھی مجاز، کنایے اور معنویت پرمبنی اسالیب کو استعمال کرتے ہیں، مگر وہ حالات کے اندر اس طرح گُدے ہوئے ہوتے ہیں کہ باتیں اور ان کی دلالتیں واضح اور دوٹوک ہوتی ہیں۔ شاید اسی وجہ سے کلام الٰہی بھی وقت کی ضرورتوں کے لحاظ سے نازل ہوتا رہا۔

لیکن اپنے حالات سے جدا ہو کر کلام جب ماثور ہو جائے تو اس کی قوتِ دلالت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے ظنی اور بعض اسے کاملاً سامع کے فہم پر منحصر مانتے، اور سخن ور (author) کو کلام سے خارج مانتے ہیں۔ لیکن یہ واضح رہے کہ یہ انسانی فطرت کا عجیب مظہر ہے کہ انسان کا ملکۂ اظہار مختلف صورتوں میں مختلف طریقے سے بات کرتا ہے۔ پس منظر سے واقف سامعین سے بات ہو تو ہم ضروری بات بتانے پر اکتفا کرتے ہیں، ناواقف سے معاملہ ہو تو تفصیلات بڑھا دیتے ہیں۔ درحدیث دیگراں بات جتانی ہو تو ہم ایسی معلومات کلام میں لے آتے ہیں کہ سامع کو کان ہو جائیں۔ خطوط تفصیلات و انداز میں روز مرہ کی گفتگو سے مختلف ہوتے ہیں۔ شعوری یا لاشعوری طور پر ہم ابلاغ مدعا کے لیے ہزار جتن کرتے ہیں۔ ہم صاف لفظوں میں بات نہ کہنا چاہیں تب بھی، اور صاف لفظوں

میں کہنا چاہیں تب بھی اتنی قوتِ اظہار رکھتے ہیں کہ ابلاغ کر دیتے ہیں۔ ہماری اس صلاحیت کو اللہ تعالیٰ نے بیان کا نام دیا ہے نہ کہ صرف زبان کا۔

بولتے یا لکھتے وقت جب غیر معین سامع کا لحاظ بھی ہو تو ہماری قوتِ بیان ایسے تمام قرائن زیبِ کلام کر دیتی ہے کہ حاضر سامع کے ساتھ غیر معین سامع بھی ہمارا مدعا پا سکے۔ لہٰذا ابلاغ کے لیے لکھا گیا ہر کلام اپنی دلالت میں واضح ہوتا ہے۔ ان کلاموں کو باعتبارِ وضوح قطعیت یا اس سے کم درجوں میں رکھا جا سکتا ہے، کیونکہ انسان کی قوتِ بیان کا فرق اور خطا و نسیان کلام کو قطعیت کے درجے سے نیچے گرا سکتے ہیں۔

ہمارا یہ عام مشاہدہ ہے کہ انسان ابلاغِ مدعا میں عموماً کامیاب رہتا ہے۔ لیکن جدید ماہرینِ لسان اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں زبان ابلاغ مدعا کے لیے ناقص ذریعہ ہے۔ لیکن یہ نظریہ انسانی تاریخ کے مطالعہ میں درست ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ حقیقتِ واقعہ ہے کہ انسانی تاریخ ہمارے علوم و اخبار کے نسل در نسل انتقال و حصول کا نام ہے۔ واضح ہے کہ ان علوم کا ابلاغ محض لسانی پیرائے ہی میں ہوتا آیا ہے۔ یہ عمل ''نقص بیانی'' کے باوجود ہوتا آ رہا ہے، یہاں تک کہ ہمارا قافلۂ علم و عرفان بہت دور تک نکل آیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مزعومہ ''نقص بیانی'' بھی ابلاغِ معنی میں رکاوٹ نہیں بنی۔ تاریخ نے یہ عجیب منظر بارہا دیکھا ہے جو منظر فکر یونان کے عربی تراجم کے وقت ہوا کہ ایک فلسفہ ناآشنا قوم محض تراجم کی بنیاد پر نہ صرف فلسفہ آشنا بن جاتی ہے، بلکہ اس کی ترویج و ترقی کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ پھر عرب قوم جب اس فکر کو مغرب کے حوالے کرتی ہے تو پھر زبان ہی کے ذریعے سے یہ عمل ہوتا ہے۔ لہٰذا، جب انسان اتنے دقیق اور اتنے مشکل تصورات کو بیان کر سکتا اور دوسروں سے اسے حاصل کر سکتا ہے تو یہ عمل زبان کی دلالت کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ یہ عمل قبل از تاریخ سے ہوتا آ رہا ہے، اور آج تک جاری ہے۔ زبانوں نے کئی روپ بدلے، کئی زبانیں مر چکیں، کئی نئی پیدا ہو رہی ہیں، لیکن ابلاغ کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ہم آج بھی ارسطو و فلاطون کے حوالے دیتے اور ابراہیم و نوح (علیہما السلام) کی باتیں سمجھ سکتے ہیں۔ ازمنہ قدیم میں لکھی ان کی باتوں کو سمجھ لیتے ہیں۔

ہمارے خیال میں ہر کلام اپنی دلالت میں واضح و دوٹوک ہوتا ہے۔ قرآن مجید ان سب کلاموں سے بڑھ کر دلالت میں واضح ہے ــــ میں عقیدۃً نہیں کہہ رہا ــــ بلکہ لسانی پہلو ہی سے کہہ رہا ہوں۔ قرآن مجید میں ــــ عام کلاموں کے برعکس ــــ کچھ ایسی چیزیں استعمال کی گئی ہیں، جو اسے دلالت میں کہیں بڑھ کر قطعیت عطا کر دیتی ہیں۔ ہم بات میں آسانی کے لیے ان چیزوں کو ادواتِ ابلاغ کا نام دے لیتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

زبان کا چناؤ

قرآن کا فرمان ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰ نًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. ''ہم نے اس کتابِ الٰہی کو عربی میں نازل کیا ہے تا کہ یہ اسے سمجھ سکیں۔'' (یوسف ۱۲:۲)

اللہ تعالیٰ نے انسانی زبانوں میں سے بالعموم اور اولادِ ابراہیم کی زبانوں میں سے بالخصوص عربی زبان[۲] کو چنا ہے، جو دیگر زبانوں کی نسبت تعددِ احتمالات کو رد کرنے کی کچھ زیادہ صلاحیت رکھتی ہے۔ غالبًا عربوں کو اپنی زبان کی اسی خوبی کا شعور تھا، جس کی وجہ سے وہ باقی اقوام کو عجمی (بولنے میں لکنت والا) کہتے تھے۔ ردِ احتمالات کے باب میں عربی میں بہت سی خوبیاں ہیں، جو اسے باقی زبانوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ چند ایک ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

اعراب

یہ عربی زبان کی ایک خوبی ہے، جو ردِ احتمال میں مددگار ہے۔ عربی میں الفاظ پر نحو (grammar) کے اثرات سب سے زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ مثلاً اردو کے جملوں: ''میں نے پانی پیا''، اور ''پانی بہ گیا'' ــــ میں پانی پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جب کہ عربی میں دیکھیے 'شربتُ الماءَ' اور 'سال الماءُ' میں اعراب کس طرح 'الماء' پر ظاہر ہوئے ہیں۔ ان اعراب کی بنیاد پر کلمات کی نحوی حالتوں کی پہچان میں عربی زبان سب سے زیادہ معاون ہے۔ اعراب بہت سے مواقع پر ردِ احتمالات میں مددگار ہوتے ہیں۔

مفصل صیغے

عربی زبان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں مذکر مؤنث، واحد جمع اور تثنیہ وغیرہ کے لیے ضمائر، اسماء اور افعال کے بہت زیادہ صیغے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اس میں افعال کے چودہ اور ضمائر کے بارہ صیغے بنتے ہیں وغیرہ۔ اس قدر صیغوں کی موجودگی کی وجہ سے کلام میں فاعل و مفعول ضمائر کے مراجع وغیرہ کے تعین میں باقی زبانوں کے مقابلے میں زیادہ مدد ملتی ہے۔ مثلاً 'ھُم' کی ضمیر ذوی العقول کے لیے بولی جاتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں 'عَرَضَھُمْ' (۲:۳۱)

---

[۱] 'أداة' کی جمع، یعنی آلہ tool۔

[۲] کوئی شخص یہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ عربی تو انسانی زبان ہے۔ جی ہاں، ایسا ہی ہے، لیکن خدا نے انسانی زبانوں میں سے عربی کا چناؤ کیا ہے، جب کہ ہم چناؤ نہیں کرتے۔ ہم آپ تو کسی زبان کے وطن میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے آخری کتاب کے لیے باقی تمام زبانیں چھوڑ کر اسے چنا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں ضمیر 'ھُم' بولی گئی ہے، لیکن یہاں اس کا مرجع 'اَلْاَسْمَآء' ہے، جو کہ غیر ذوی العقول میں سے ہے۔ جس کے لیے 'ھُم' کی ضمیر مناسب نہیں ہے، سوائے اس کے کہ 'اَلْاَسْمَآء' بول کر ان کے ذوی العقول مسمی مراد ہوں۔ چنانچہ ہم محض اس ضمیر کی وجہ سے وہ تفسیر رد کر سکتے ہیں کہ جو 'اَلْاَسْمَآء' سے غیر ذوی العقول اشیا کے نام مراد لیتی ہے۔ لہٰذا، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عربی ضمائر و اسماء کسی بھی زبان کے مقابلے میں تعین مدعا میں زیادہ مددگار ہیں۔

قراءت

عربی کو چننے کے بعد، ردِ احتمالات کے لیے قرآن کا یہ دوسرا اضافی اہتمام ہے، جو عربی کے خصائص ہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف لکھا ہوا کلام ہی نازل نہیں کیا، بلکہ اسے جبریل علیہ السلام کی زبانی قراءت بھی کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ. فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ. (القیامہ ۷۵: ۱۷-۱۹)

''اس کا جمع کرنا اور قراءت کرنا، سب ہماری ذمہ داری ہے۔ اس لیے جب ہم اس کی قراءت کریں تو اس کی اس قراءت کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی ذمے ہے کہ ہم اس کی وضاحت کر دیں۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قراءت تمام زبانوں میں اہمیت رکھتی ہے، لیکن عربی زبان میں اس کی اضافی اہمیت ہر عربی شناس جانتا ہے۔ مثلاً 'ذھبت' کا صیغہ واحد متکلم، واحد مؤنث غائب، واحد مذکر مخاطب، واحد مؤنث مخاطب کے لیے یکساں احتمال رکھتا ہے۔ اب اگر اس کی قراءت کر دی جائے احتمالات ختم ہو جائیں گے۔ اگرچہ سیاق و سباق بھی مدد و معاون ہوتا ہے، لیکن بعض مقامات پر سیاق و سباق مددگار نہیں ہوتا، وہاں احتمالات کو قراءت کی مدد سے زائل کر دیا جاتا ہے۔

اس کی سب سے واضح مثال آیتِ وضو میں 'اَرْجُلَکُم' کے الفاظ ہیں۔ اگر قراءت موجود نہ ہو تو سیاق و سباق کی مدد سے واضح رجحان 'اَرْجُل' کے مجرور، یعنی 'اَرْجُلِکُم' ہونے کا بنتا ہے۔ لیکن معلوم ہے کہ متواتر قراءت میں اسے منصوب 'اَرْجُلَکُم' پڑھا گیا ہے۔ اس قراءت کی تائید سنتِ متواترہ میں عمل وضو سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن اگر قراءت نہ کی جاتی تو ہر قاری کے لیے یہ احتمالات موجود رہتے، جنھیں قراءت نے ختم کر دیا ہے۔ یا فقہا یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ سنت نے تخصیص کر دی ہے۔ یوں احتمالات کی تردید کے لیے قراءت بھی ادواتِ ابلاغ میں سے ایک اہم چیز ہے۔

قراءت کی اسی اہمیت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قراءت کرنے کا پورا اہتمام کیا گیا، بلکہ اسے محفوظ کرنے کا بھی پورا بندوبست کیا گیا۔سورۂ قیامہ کی مذکورہ بالا آیات (۷۵: ۱۷-۱۸) میں اس اہتمام کو بیان کیا گیا ہے۔قراءت کی یہی اہمیت ہے جس کی وجہ سے صحابہ نے بھی جب قرآن کے نسخے تیار کیے تو ساتھ حفاظ بھی بھیجے تاکہ وہ اعراب و حرکات کو صحیح صحیح پڑھ کر طلبہ کو سکھائیں۔اسی اہمیت کو سمجھتے ہوئے حجاج بن یوسف نے قراءت کو محفوظ کرنے کے لیے اعراب ایجاد کیے[۳] اور قرآن کے متن پر ثبت کر دیے تاکہ قراءت تحریر میں بھی محفوظ ہو جائے، اور حفاظ معلمین کے بغیر بھی سیکھی جا سکے۔اس لیے ان علما کی بات درست نہیں ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کا متن متواتر ہے، اور اس کی قراءت قاری (reader) پر چھوڑ دی گئی ہے۔قراءت بس وہی مانی جائے گی جو جبریل امین نے حکم الٰہی سے نبی صادق و امین کو سکھائی اور انھوں نے امت کے حفاظِ قرآن کے ذریعے سے تواتر کے حوالے کر دی تاکہ تا قیامت حجت قائم کرتی رہے۔

چنانچہ احتمالات کے رد کے لیے اللہ علیم و خبیر نے پہلا کام تو یہ کیا کہ عربی کو اظہارِ مدعا کے لیے چنا۔دوسرا کام یہ کیا

۳؎ بعض مسلمان اور مستشرقین یہ خیال کر لیتے ہیں کہ اعراب لگانا شاید متنِ قرآن میں تبدیلی ہے۔واضح رہے کہ ایسا نہیں ہے۔اعراب کی دو قسمیں ہیں: ایک حرکات جو لفظ کے تلفظ سے متعلق ہیں، مثلاً میں گھر گیا۔اس میں لفظ 'گھر' کے گاف پر زیر اور زبر پڑھنے سے معنی بدل جائیں گے۔یہ حرکات ہیں، یہ بھی معنی پر اثر انداز ہوتی ہیں، اس جملے کا سیاق وسباق اگر مدد نہ کرتا ہو، تو ہمیں تلفظ، یعنی قراءت سے مدد ملے گی کہ بولنے والے نے گھر بولا ہے یا گِھر بولا ہے۔اعراب کی دوسری قسم کو اعراب ہی کہا جاتا ہے، جو نحو (grammar) کی وجہ سے آتے ہیں۔مثلاً ''لڑکا آیا''، ''لڑکے نے کھایا''۔ان دونوں جملوں میں ''لڑکا'' اور ''لڑکے'' کے آخر پر الف اور یے نحو کی وجہ سے آئے ہیں۔عربی میں یہ اعراب حروف سے بھی ظاہر ہوتے ہیں، جیسے 'ضربت عابدًا جالسًا' میں 'عابد' اور 'جالس' کے آخری الف سے ہوا ہے، لیکن بالعموم اسے زیر، زبر اور پیش کی آوازوں سے بتایا جاتا ہے جیسے 'ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ' میں ہوا۔

حرکاتِ تلفظ اور نحوی اعراب کلام کا حصہ ہوتے ہیں۔ان کے رد و بدل سے معنی میں فرق آ جاتا ہے۔دونوں کے پڑھنے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔مثلاً اوپر ہم نے 'اَرْجُلَکُم' کی مثال دی تھی۔لہٰذا، متکلم کے منشا کے مطابق صحیح پڑھنے کے لیے قراءت کا سہارا لیا جانا ضروری ہے۔اسی قراءت کی روشنی میں حجاج بن یوسف نے اعراب اور حرکات، دونوں حفاظ کے حفظ کی روشنی میں لگوائے، کوئی اضافہ نہیں کیا۔مثلاً ''میں گھر گیا'' جملے کو جیسا بولنے والے نے بولا، اس پر اعراب لگا دیے۔جیسے: مِیں گھر گِیا۔اسی طرح، انگریزی کے but اور put کے b پر اگر زبر اور p پر پیش لگا دیا جائے تو یہ کوئی متن میں تبدیلی نہیں ہو گی، جیسے butَ اور putُ۔

کہ قراءت کے ذریعے سے تلفظِ الٰہی کو منتقل کیا۔ بعدازاں یہ تلفظِ الٰہی بہ اہتمام محفوظ کر دیا گیا۔ پھر صحابہ اور تابعین کو توفیق بخشی کہ وہ ان دونوں کو محفوظ کرنے میں جتے رہے، یہاں تک کہ متن، اعراب اور حرکات بالحفظ اور بالقلم محفوظ کر دیے گئے تا کہ اس راہ سے آنے والے احتمالات قراءتِ متواترہ سے زائل کر دیے جائیں۔

لسانِ مبین

دلالت کی قوت میں اضافے کے لیے یہ قرآن کا اگلا اہتمام ہے۔ قرآن مجید کا فرمان ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ. عَلٰی قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ. (الشعراء ۲۶: ۱۹۳-۱۹۵)

’’اِسے تمھارے دل پر روح الامین لے کر اترا ہے تا کہ تم بھی خبردار کرنے والے بنو۔ واضح عربی زبان میں۔‘‘

قرآن کے اپنے بیانات کے مطابق یہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ عربی مبین کے معنی واضح زبان کے ہیں۔ ہر زبان کی کئی سطحیں ہوتی ہیں۔ مثلاً مغلق، مشکل اور آسان۔ اسی طرح کم مستعمل زبان اور عام مستعمل زبان۔ کم مستعمل زبان کی مثالیں ہمیں ’’مقامات حریری‘‘ وغیرہ کی صورت میں ملتی ہیں، جن کو سمجھنے کے لیے بسا اوقات اہل زبان کو بھی لغات (ڈکشنری) کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ زبان کی ایک وہ سطح ہوتی ہے جسے ہم روزمرہ کی زبان کہہ سکتے ہیں۔ یہ سہل اور صبح وشام کے استعمال کی زبان ہوتی ہے۔ زبان کے اس دائرے میں الفاظ، گرامر، محاورے، جملے، تراکیب، امثال اتنی معلوم ومعروف ہوتی ہیں کہ اہل زبان بغیر کسی دقت کے سمجھ لیتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس معلوم ومعروف زبان کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ایک بازاری اور دوسرے شایستہ ومہذب۔ یہ دونوں اگرچہ مبین ہوتی ہیں، لیکن بازاری زبان کا شرفا کے ہاں چلن نہیں ہوتا، اس لیے ایک طبقہ اس سے ناواقف ہوتا ہے۔ البتہ جو شرفا کی زبان ہے، اس کا چلن ہر گھر، گلی، محلے بیٹھک اور چوپال میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اسی دائرے کی زبان کو اپنے ابلاغ مدعا کے لیے چنا۔ اس زبان میں اعلیٰ مضامین بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن نے اس زبان کو اعلیٰ تر مضامین کے لیے سہل ممتنع[۴] اسلوب میں برتا ہے۔

چنانچہ قرآنی زبان کے مفردات، مرکبات، جملے، اسالیب، محاورے، استعارے و کنایے اس قدر معروف و

---

[۴] شعر اتنا آسان کہہ دینا کہ اس سے آسان کہنا ممتنع، یعنی ناممکن ہو۔ درج ذیل شعر اس کی مثال بن سکتا ہے:

دل کو تھاما، اس کا دامن تھام کے — میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

معلوم تھے کہ سب کے لیے آسان اور سریع الفہوم تھے۔ زبان کے اس دائرے میں شاذ اور غریب الفاظ کا گزر ہوتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے ان کے معنی کو پانے کے لیے اہل زبان کو ذرا دقت نہیں ہوتی۔ نہ اس کلام میں کوئی انچ پینچ ہوتی ہے[۵] اور نہ قاری کو اس کے مدعا کو پانے کے لیے کوئی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں[۶]۔ یہی زبان اپنے تمام اجزا کے ساتھ اہل زبان کے ہاں متواترات کا حصہ ہوتی ہے، زبان کا یہ حصہ بالعموم صدیوں تک متروک نہیں ہوتا۔ اس کے مفردات و اسالیب مسلسل استعمال کی وجہ سے ــــ زبان کی زندگی میں کبھی ــــ شناسائی سے محروم نہیں ہوتے۔ اس کی اسی خوبی کی وجہ سے اس زبان میں کہا گیا کلام ہمیشہ زیادہ قابل فہم ہوتا ہے۔ ایسی زبان اپنے متواتر استعمالات کی معاشرے میں موجودگی کی وجہ سے احتمالات کے وجود ہی میں آنے سے روک دیتی ہے۔ اگر کہیں احتمال پیدا بھی ہو جائے تو محض تنبہ ہی کافی ہوتا ہے۔

یک معیاری زبان

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا. (مریم ۱۹: ۹۷)

’’سو، (اے پیغمبر)، ہم نے اِس قرآن کو تمھاری زبان میں اِسی لیے سہل اور موزوں بنا دیا ہے کہ تم اُن لوگوں کو اِس کے ذریعے سے بشارت دو جو خدا سے ڈرنے والے ہیں اور اِن ہٹ دھرم لوگوں کو اِس کے ذریعے سے خبردار کر دو۔‘‘

لسان مبین میں لکھے گئے کلام میں بھی احتمالات پیدا ہو سکتے ہیں، اگر وہ متعدد علاقائی لہجوں کا مجموعہ ہو، اور معلوم نہ ہو سکے کہ متکلم نے کس جملے میں کس علاقے کے محاورے اور لہجے میں بات کی ہے۔ مثلاً ہماری اردو میں دہلوی، لکھنوی اور پنجابی لہجے ہیں۔ انگریزی میں برطانوی اور امریکی لہجے ہیں۔ اگر کوئی مصنف بغیر کسی امتیاز کے امریکی اور برطانوی لہجوں کو برابر استعمال کرتا جائے تو سوال پیدا ہو جائے گا کہ اس جملے میں لفظ برطانوی معنی میں آیا ہے یا امریکی معنی میں؟ مثلاً امریکیوں کا لفظ hood لباس بھی ہے اور گاڑی کا بونٹ بھی۔ جب کہ برطانیہ میں ایسا نہیں ہے، وہاں لباس تو ہے، مگر بونٹ اس کے معنی میں نہیں آتا۔ چنانچہ اگر کوئی مصنف امریکی اور برطانوی لہجوں کو بلا امتیاز

۵؎ الزمر ۳۹: ۲۸۔ ’قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ‘۔

۶؎ الزمر ۳۹: ۲۸۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

استعمال کرتا جائے تو کئی مقامات پر احتمالات کو زائل کرنا، ناممکن ہو جائے گا۔ہم نہیں جان سکیں گے کہ یہاں لفظ برطانوی معنی میں آیا ہے یا امریکی میں۔ کہتے ہیں کہ چرچل کے لیے اپنے برطانوی اتحادیوں کے ساتھ میٹنگ میں ایک فعل ''to table'' غلط فہمی کا باعث بن گیا تھا۔امریکی لہجے میں اس کا مطلب تھا، ایجنڈے سے کسی آئٹم کو ملتوی کر دیا جائے، جب کہ برطانوی انگریزی میں اس کا مطلب تھا کہ اب اس نقطے کو میز پر، یعنی گفتگو میں لایا جائے۔

عربی زبان بولنے والوں کے بھی کئی علاقے اور لہجے تھے۔ ہر علاقے کے الفاظ اور عربی اسالیب و محاورات کا فرق آ جاتا تھا۔جس سے کلام میں احتمالات کا امکان نہ صرف بڑھ جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات ان کا زائل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔اسی لیے قرآن مجید نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ قرآن صرف ایک لہجے میں اترا ہے۔دیگر عربی لہجوں کا اس میں دخل نہیں ہے: یعنی 'یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ'۔قرآن میں 'سٰمِدُوْنَ' کا لفظ آیا ہے[7]کہا جاتا ہے کہ حمیری زبان میں اس کے معنی گانے والوں کے تھے (تفسیر مجاہد سورۂ نجم آیت ۶۱)۔اب اس مقام کو نکالیے تو اگر ہم دونوں عربی لہجوں کا اعتبار کریں تو ہمارے پاس پیدا ہونے والے احتمالات میں سے ایک طے کرنے کے لیے شاید کوئی واضح قرینہ نہ ملے۔قرآن کا فرمان ہے:

اَفَمِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ. وَتَضْحَکُوْنَ وَلَا تَبْکُوْنَ. وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ. فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا. (النجم ۵۳: ۵۹-۶۲)

اگرچہ 'سٰمِدُوْنَ' کو یہاں گانے والوں کے معنی میں لینا مضمون سے مطابقت نہیں رکھتا، اکھڑا اکھڑا سا لگتا ہے۔ لیکن ہمارے پاس ذوق کے سوا کوئی ظاہری قرینہ نہیں ہے۔اب فیصلہ کن چیز یہ ہے کہ قرآن قریش کی زبان ـــــ جو نبی اکرم کی زبان ہے ـــــ میں اترا ہے۔تو اس زبان میں 'سٰمِدُوْنَ' کے جو معنی ہیں یہاں وہی مراد ہوں گے۔ قرآن کی واضح نص ہے کہ قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عربی میں اترا ہے نہ کہ حمیری وغیرہ میں۔قرآن کے الفاظ میں یہ بات یوں کہی گئی ہے: 'فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ' ''ہم نے تو بس اس (لیے قرآن) کو تمھاری زبان میں میسر کیا ہے کہ یہ (خوب) یاد دہانی حاصل کر سکیں'' (الدخان ۴۴: ۵۸)۔قرآن اسی ایک زبان میں اترا ہے، اس لیے دوسرے لہجوں سے پیدا ہونے والے احتمالات صرف اسی بات سے مرجوح قرار پا جائیں گے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نہیں ہے۔ یوں قرآن کا ایک لسانی لہجہ مقرر کرنا، بہت احتمالات کو رد کر دیتا ہے، جو مفسرین نے اختیار کر رکھے ہیں۔

---

[7] النجم ۵۳: ۶۱۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس لیے قریشی نحو وصرف، لغات اور بلاغت وفصاحت قرآن کے مفاہیم میں رد احتمالات کا ذریعہ ہوگی۔ خلافتِ راشدہ میں صحابہ کا طرزِ عمل اس کی واضح تائید کرتا ہے۔ مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے 'التابوت' کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ 'التابوہ' ہے یا 'التابوت' تو انھوں نے کہا کہ 'التابوت' صحیح ہے۔ اس لیے کہ قریشی لہجے کے مطابق یہ 'التابوت'، اس لیے مانا جائے گا کہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے (المقنع فی رسم مصاحف الأمصار ص ۱۵)۔

سیاق وسباق کی تشکیل

یہ رد احتمالات کا ایک اور ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو قیامت تک کے لیے معنی آفرین بنائے رکھنے کے لیے سیاق کلام نہایت عمدگی سے ترتیب دیا ہے۔ اس میں لفظی سیاق، مضمون کا سیاق، مخاطب اور متکلم اور شان نزول کے سیاق کو بھی کلام کے اندر پرو دیا گیا (woven) ہے۔ یہ محض دعویٰ نہیں ہے، اسے ہمارے مدرسے کے جلیل القدر مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ثابت کر دیا[۸] ہے۔ ذیل کی آیت میں جمع قرآن کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ اللہ حکیم وحمید کا فرمان ہے:

اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَقُرۡاٰنَہٗ. فَاِذَا قَرَاۡنٰہُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ. (القیامہ ۷۵: ۱۷-۱۹)

''اس کا جمع کرنا اور قراءت کرنا، سب ہماری ذمہ داری ہے۔ اس لیے جب ہم اس کی قراءت کریں تو اس کی اس قراءت کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی ذمے ہے کہ ہم اس کی وضاحت کر دیں۔''

سیاق وسباق دو طرح کا ہوتا ہے: ایک عبارت کا اور دوسرا تاریخی۔ عبارت کے سیاق وسباق کا مطلب تو یہ ہے کہ کلام کے اندر جو مضمون یا الفاظ ہیں، وہ ایک سیاق وسباق بنا رہے ہوتے ہیں، قدما اسے قرائن مقالیہ کا نام دیتے تھے۔ تاریخی سیاق وسباق سے ہماری مراد نزول قرآن کے وقت کی صورت حال ہے۔ ''شان نزول'' اور ''قرائن حالیہ'' کے الفاظ میں بھی انھی کو مراد لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کمال قدرت کے ساتھ دونوں کو کلام میں اس طرح بُن دیتا ہے کہ موقع محل، مخاطب وغیرہ سب واضح ہو جاتے ہیں۔ اس کے لیے ہمارے پچھلے مضمون میں سورۂ احزاب کی مثال کو دیکھا جا سکتا ہے۔

۸۔ دیکھیے ''تدبر قرآن'' اور ''البیان''۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قرآن مجید جستہ جستہ اترا ہے۔لیکن بعد میں اسے جبریل امین کی راہنمائی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ترتیب دے کر امت کو دیا ہے۔اسے ترتیب توقیفی کہا جاتا ہے۔قرآن جس طرح اترا تھا، اگر ویسے ہی جمع کر دیا جاتا — آیات سورتوں میں نہ ڈھلتیں، اور نہ سورتوں کی کوئی ترتیب قائم کی جاتی — تو بلاشبہ سیاق وسباق تشکیل نہ پاتا۔پھر یہ اسی طرح کی کتاب ہوتی جس طرح آج کل اقوال زریں (Quotations) کی کتابیں ہوتی ہیں۔لیکن قرآن کا معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اپنی اس ترتیب کی وجہ سے آیات کا سیاق وسباق بنتا ہے، جسے صحابہ اور عموماً مفسرین نے فہم قرآن میں ملحوظ رکھا ہے۔ یہ سیاق وسباق احتمالات کو رد کرنے میں بہت قوی کردار ادا کرتا ہے۔

اسے پہلے ایک آسان مثال سے سمجھتے ہیں۔ ذیل کی آیت سے کوئی لاخیراً یہ مطلب نکال سکتا ہے کہ قرآن کے اختتام کے وقت اللہ تعالیٰ نے 'فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ' (الماعون ۱۰۷:۴) کے الفاظ میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے کہ نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے۔ایسی بات تبھی ممکن ہے کہ اس آیت کو اس کے سیاق وسباق سے کاٹ لیا جائے۔ سیاق وسباق سے واضح ہے کہ ریاکار اور غفلت شعار نمازیوں کو وعید ہے۔ ہر آیت اپنے مقام پر نگینے میں جڑے موتیوں کی طرح ہے۔اگر اسے وہاں سے نکال لیں تو معنی تو وہ پھر بھی دے گی، لیکن کبھی اپنے اصل معنی سے محروم ہو جائے گی جیسا ہم نے 'فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ' کے بارے میں ابھی دیکھا، اور کبھی حسن معنی سے۔

ذیل میں ایک اور مثال سے بات واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔سورۂ کوثر دیکھیے:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ. (۱۰۸:۱-۳)

''ہم نے تمھیں خیر کثیر عطا کیا، اس لیے اپنے رب کی نماز پڑھو اور اس کے لیے قربانی کرو، بلاشبہ تیرا دشمن ہلاک ہوگا۔''

سب سے پہلے سورہ کی داخلی باتوں کو سمجھنے کے لیے اسے اپنے مقام سے اگر الگ کر لیتے ہیں۔ یہ عرف قرآن سے واضح ہے کہ 'اَعْطَيْنٰكَ' کے 'کافِ' خطاب سے مراد نبی آخر الزمان ہیں۔آپ کو یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپ کو 'الکوثر' عطا کیا۔اس کے بعد فرمایا کہ آپ نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔آگے بڑھیے، تو اچانک آپ کے دشمنوں کے ابتر ہونے کی وعید اور خبر سنائی گئی ہے۔

اب ان تین چیزوں پر غور کریں کہ یہ تینوں چیزیں 'الکوثر' سے کیا تعلق رکھتی ہیں۔اس تعلق پر غور کرنا اس لیے ضروری ہے کہ 'اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ' کے فوراً بعد 'فاء' سے عطف کر کے یہ باتیں کہی گئی ہیں۔عربی جاننے والے جانتے ہیں کہ 'فاء' سے عطف پچھلی بات سے کسی نہ کسی پہلو سے متعلق ہوتا ہے۔بات کو سمجھنے کے لیے اردو کی ایک

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

مثال پر غور کریں۔ کوئی اپنے بیٹے کو ایک چیز بھیجے اور اسے خط میں لکھے:

''میں تمھیں ایک بہت مفید چیز بھیج رہا ہو، تو تم وقت پر اٹھنا اور وقت پر اسکول جانا، سکول کا چوکیدار تمھیں نہیں روکے گا۔''

اب دیکھیے، 'تو' کے بعد کے جملے بتا رہے ہیں کہ اس 'مفید چیز' کا تعلق 'وقت' سے ہے۔ ان جملوں سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ 'مفید چیز' وقت معلوم کرنے کی سہولت فراہم کرے گی، یعنی گھڑی بھیجی گئی ہے۔ جس کی مدد سے وقت پر اٹھنا اور اسکول جانا ممکن ہو گا تو چوکیدار کے روکنے کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ تو خط کے ان تین جملوں سے ہمیں ساری کہانی سمجھ میں آ گئی۔

ٹھیک ایسے ہی جملے سورۂ کوثر کے ہیں۔ ان میں بھی جو چیز عطا کی گئی بربنائے مصلحت اس کا نام نہیں لیا گیا۔ اس کا ذکر بس 'الکوثر' کے وصف سے کیا ہے۔ 'کوثر' دراصل وہ چیز یا شخص ہے جس سے بے پناہ فیض ملتا ہو، اسی لیے بہت سخی شخص کو 'کوثر' کہتے ہیں۔ اوپر گھڑی والے جملے کی طرح 'کوثر' عطا کرنے کے بعد دو حکم دیے گئے ہیں کہ نماز پڑھنا اور قربانی دینا۔ اب انسانی ذہن فوراً اس طرف جائے گا کہ وہ کون سی فیض رساں چیز ہے جس کے ملنے کے بعد نماز اور قربانی ہو گی۔ قرآن کے مخاطب قریش، یعنی آل ابراہیم جانتے ہیں کہ بیت اللہ ہی وہ جگہ ہے جس میں یہ دونوں کام کیے جاتے ہیں۔ تیسری آیت یہ بتاتی ہے کہ اس قربانی اور نماز سے متعلق 'الکوثر' کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بھی کوئی معاملہ ہے۔ یہ سورہ مکی ہے، اور ہمیں معلوم ہے کہ مکہ اور مدینہ کے بھی کئی سال تک بیت اللہ کفار مکہ کے قبضے میں رہا۔ اب اللہ تعالیٰ اس دور میں کہہ رہے ہیں کہ ہم نے تمھیں بیت اللہ عطا کیا، جب آپ کو مل جائے تو نماز ادا کیجیے گا اور قربانی نذر کیجیے گا، رہا یہ دشمن، جس کے قبضے میں بیت اللہ ہے، اب وہ اس پر کنٹرول نہیں رکھ سکے گا، اس لیے کہ اس کی جڑ کٹ جائے گی۔

یوں سورہ کے الفاظ و جمل نے ہمیں بتا دیا کہ یہ سورہ کس صورت حال میں اتری، یعنی اس سورہ کی شان نزول کیا ہے، اس وقت دشمن کی کیا حالت تھی، کعبہ کن کے قبضے میں تھا، اور کعبے کے ساتھ جو دو عبادات[9] جڑی تھیں، ان کے کرنے سے مسلمان رکے ہوئے تھے۔ اس موقع محل سے ہم پر یہ بات مزید کھلی کہ 'اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ' کے الفاظ بشارت اور وعدے کے تھے، فوری دے دینے کے معنی میں نہیں تھے۔ تو اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید چند جملوں پر

9۔ یہ دونوں عبادات حج و عمرہ کے لیے کنایہ بھی ہیں۔ جیسے تسبیح و حمد کے الفاظ نماز پنج گانہ کے لیے، متعدد مقامات پر، قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مشتمل سورت میں بھی کس شان کے ساتھ موقع محل کو مصور کر کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اب یہ سورت جن سورتوں کے درمیان رکھی گئی ہے، انھوں نے بھی ایک موقع محل تشکیل کیا ہے۔ یہاں مضمون میں اس کی توضیح طوالت کا باعث ہوگی۔ استاذ گرامی کی ''البیان'' میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ مختصراً صرف اس کے بعد کی تین سورتوں کے مضامین کے اشاروں سے موقع محل بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ موقع محل کی ایک ہلکی سی تصویر سامنے آ جائے۔

سورۂ کوثر کے بعد کی صرف تین سورتیں دیکھیں تو وہ سورۂ کافرون، سورۂ نصر اور سورۂ لہب ہیں، سورۂ کافرون دشمن پر اتمام حجت کے بعد ان کی تکفیر کو بیان کرتی ہے۔ سورۂ نصر خدا کی مدد اور فتح مکہ، یعنی حصولِ کعبہ کا پتا دیتی ہے۔ جب کہ سورۂ لہب، ابولہب اور کفار کے دیگر لیڈروں کی ہلاکت کی خبر دیتی ہے۔ چنانچہ اس سیاق وسباق سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ جو تعلق سورۂ نصر اور سورۂ لہب کا ہے وہی تعلق 'اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ' اور 'اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ' کا ہے۔ یعنی فتح مکہ اہل مکہ کے سرداروں کی ہلاکت پر منتج ہوگی۔

اس طرح قرآنی اسلوب میں تاریخی سیاق وسباق، شانِ نزول یا قرائن حالیہ متن میں ملفوف ہو کر آ جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ قرآن مجید قرائن حالیہ کو بھی قرائن مقالیہ کا حصہ بنا دیتا ہے۔[10] یہ سیاق وسباق کی دوہری تہری تہیں بناتا ہے:

ا۔ جملے کا سیاق،

۲۔ پورے پیراگراف کا سیاق،

۳۔ سورتوں کا باہمی سیاق،

اس سہ گونا سیاق وسباق کو ترتیب توقیفی میں قائم کر کے وہ کام کیا گیا ہے، جو ہماری گفتگوؤں میں ہمارا ماحول سرانجام دیتا ہے۔ قرآن نے اس ترتیب سے یہی کام لیا ہے کہ وہ اس وقت کی صورت حال کو کلام میں پرو دیتا ہے تاکہ قاری معنی سے چوکنے نہ پائے۔

تصریف آیات

ادواتِ ابلاغ میں اگلی چیز یہ ہے کہ ایک بات کو مختلف الفاظ اور مختلف سیاق وسباق میں بار بار دہرا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

۱۰؎ واضح رہے کہ سیاق وسباق یا قرائن مقالیہ ہی کی وجہ سے کلام کے عام وخاص ہونے کا فیصلہ ہوتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنٰهُ بَيۡنَهُمۡ لِيَذَّكَّرُوۡا فَاَبٰۤى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا. (الفرقان ۲۵: ۵۰)

’’ہم نے اس (قرآن) کو ان کے درمیان طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ یہ یاددہانی حاصل کریں، مگر اکثر لوگ ناشکری کیے بغیر نہیں رہتے۔‘‘

تصریف کے بہت سے فائدے ہیں۔ایک یہ کہ بات کو بار بار دہرانا، مضمون کو واضح اور راز بر کرنے میں مدد دیتا ہے۔مختلف اسالیب اور سیاق وسباق میں دہرانے سے بات کئی پہلوؤں سے واضح ہو جاتی ہے، اسی بات کو اوپر آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم اپنی افتادِ طبع، ذوقِ فکر، تہذیبی اقدار اور معلومات کے اسیر ہوتے ہیں۔قرآن کے اولین مخاطب اگرچہ ایک ہی تہذیب کے افراد تھے۔لیکن افتادِ طبع اور ذوقِ فکر اور معلومات کا فرق فہم اور حصول علم میں فرق پیدا کر دیتا تھا۔لہٰذا ہر ذوقِ طبع کے لیے مختلف انداز میں بات سمجھانا پڑتی ہے۔اگر ذوقِ طبیعت کی وجہ سے کسی آیت کے فہم میں ناکامی ہو تو دوسرا مقام ہماری مدد کرتا ہے۔

یہ تصرف کئی پہلوؤں سے ردّ احتمالات میں مددگار ہے۔مثلاً قرآن مجید نے بسا اوقات، الفاظ تک کو یوں استعمال کر دیا ہے کہ ایک مقام دوسرے مقام کے لیے لغات بن جاتا ہے۔قرآن نے اپنے ان مضامین کو اس قدر دہرایا ہے کہ وہ قاری کے لیے جانے پہچانے مضامین بن جاتے ہیں، جس سے وہ دوسرے مقامات میں غلطی کھا جانے سے بچ جاتا ہے۔قرآن کبھی ایک مضمون کو مختلف الفاظ میں بیان کر دیتا ہے اور کبھی الفاظ وہی رکھتا ہے، مگر سیاق وسباق بدل دیتا ہے، وغیرہ۔ان تصریفات سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جب ایک طرح کے الفاظ میں بات سمجھ نہ آئے تو الفاظ بدل کر rephrase کر دیا جاتا ہے اور جب ایک سیاق وسباق سے بات سمجھ نہ آئے تو دوسرے سیاق وسباق میں بات سمجھ آ جاتی ہے۔اس سے یہ بھی ہوتا ہے کہ ہر نئے سیاق وسباق میں اسی بات کا ایک نیا پہلو واضح ہوتا ہے۔یوں تصریفات مضامین کا گھیراؤ کرتے ہیں، اور ہمیں بھٹکنے سے بچا لیتے ہیں۔

یہ اسلوب ایک کائناتی حقیقت کی طرح ہے۔خدا کی تخلیق کا ڈیزائن ایسا ہے کہ ایک چیز ایک ہی جگہ اور ایک ہی صورت میں نہیں پائی جاتی۔مثلاً نمک کو لیجیے، وہ صرف نمک کی کانوں ہی میں نہیں پایا جاتا، بلکہ وہ سبزیوں، گوشت، پھلوں کئی صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ہندوؤں نے گوشت کھانا چھوڑا تو انھیں پروٹین دالوں اور سبزیوں سے ملتی رہی ہے۔ٹھیک یہی ڈیزائن قرآن کا ہے۔ایک حکمت ایک ہی جگہ نہیں، بلکہ مختلف پیرایے میں، مختلف لطافتوں کے ساتھ مختلف مقامات پر ملے گی۔جس نے نہ صرف مختلف الذہن لوگوں کی فطرتِ فہم کو سیراب کرنے کا سامان کیا ہے، بلکہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس سے آیات ایک دوسری کی تفسیر میں بھی مددگار بن گئی ہیں۔ جو ہمارے لیے قرآن کا معروف تشکیل کرتیں اور ذریعہ حجت واستشہاد بنتی ہیں۔

قرآن میں تصریف میں کبھی بعینہٖ وہی الفاظ دہرائے جاتے ہیں، کبھی صرف سیاق وسباق بدلا جاتا ہے۔ اس کی سب سے عمدہ مثالیں صفات الٰہی ہیں۔ مثلاً صفتِ رحمت ہی کو پورے قرآن میں نکال کر دیکھ لیجیے ہر مقام پر رحمت کے نئے پہلو سامنے آتے جائیں گے۔ لفظی تصریف کی ایک آسان فہم مثال سورۂ بقرہ کی دوسری آیت میں 'لَا رَیۡبَ فِیۡہِ' کی ہے۔ یہاں مفسرین کو تردد پیش آیا کہ یہ کس معنی میں ہے۔ یعنی کتاب کا مضمون 'لَا رَیۡبَ فِیۡہِ' والا ہے یا اس کا کتاب الٰہی ہونا؟

ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ. (البقرہ ۲:۲)

''یہ وہی کتاب ہے، اس میں کچھ شک نہیں۔ متقین کے لیے ہدایت ہے۔''

لیکن یہ تردد دوسرے مقام پر دور کر دیا گیا ہے۔ وہاں اسی طرح کے سیاق وسباق میں 'لَا رَیۡبَ فِیۡہِ' کو دہرایا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ سجدہ میں اس بات کو لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے 'لَا رَیۡبَ فِیۡہِ' سے کیا مراد ہے:

الٓمّٓ. تَنۡزِیۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ. اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ بَلۡ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىهُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ لَعَلَّهُمۡ یَهۡتَدُوۡنَ. (السجدہ ۳۲: ۱-۳)

''یہ 'الم' ہے، اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے بہ اہتمام نزول میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ آیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے! نہیں ایسا نہیں ہے یہ تو تمھارے رب کی طرف سے اترا حق ہے تاکہ تم ایک ایسی قوم کو آگاہ کرو، جن کے پاس تم سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تاکہ یہ ہدایت پائیں۔''

یہ مثال ایسی ہے کہ اس میں 'لَا رَیۡبَ فِیۡہِ' جیسے معمولی سے مرکب کو سمجھایا گیا ہے۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تصریف سے اور کیا کیا واضح ہو سکتا ہے۔ مضمون کی تصریف کی مثال بھی انھی آیتوں میں موجود ہے۔ 'لَا رَیۡبَ فِیۡہِ' سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن یہ شبہ کس نوعیت کا ہے، وہ البقرہ کی آیت سے معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ سورۂ سجدہ کی مذکورہ بالا آیت ۳ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ لوگ اسے افترا کہہ رہے تھے۔ اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا یہ مضمون سورۂ بقرہ میں بھی پیش نظر ہے؟ تو اگرچہ یہاں البقرہ کے آغاز میں اس مضمون کے کوئی شواہد نہیں ہیں، لیکن ۲۳ ویں آیت سے واضح ہے کہ وہاں بھی یہ پہلو پیش نظر تھا: 'اِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ'

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

(البقرہ۲: ۲۳)۔'فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ' ظاہر ہے افترا کے جواب میں[۱۱] ہی آیا ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ انسانی کلام ہے، اور یہ صاحب خود لکھ کر پیش فرما رہے ہیں، تو اپنے اس الزام میں اگر سچے ہو تو اس جیسا کلام لے آؤ۔ سو واضح ہوا کہ وہ مضمون جو السجدہ کی پہلی آیت میں کھول دیا گیا ہے، وہ البقرہ کی دوسری آیت میں مضمر تھا، جسے ۲۳ ویں آیت میں کھولا گیا ہے۔ اس تصریف سے معلوم ہوا کہ البقرہ کی دوسری آیت کے جملے: 'ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ' کا ایک پہلو آیت ۲۳ میں زیر بحث آیا ہے۔ ان آیتوں میں تصریف کے اور شواہد بھی ہیں۔ لیکن ان کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

عدم تضاد

یہ ادوات ابلاغ کا اگلا عنصر ہے۔ اسے بھی قرآن نے بیان کر دیا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا. (النساء۴: ۸۲)	''اور کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں وہ بڑا اختلاف پاتے۔''

یہ آیت ایک طرف اس کتاب کے الٰہی ہونے کا استدلال ہے تو دوسری طرف یہ قرآن کا ایک ابلاغی وصف بھی ہے۔ اس اصول کی وجہ سے سارے کا سارا قرآن اپنی ہر ہر آیت کے لیے شاہد و نگران ہے۔ اب اگر کوئی آدمی کسی آیت کی ایسی تفسیر کرے جو کسی دوسری آیت سے ٹکراتی ہو، تو وہ تفسیر قبول نہیں کی جائے گی۔ یوں پورا قرآن دلالت کے لیے غایت درجہ معاون ہے۔ ہم انسانوں کے کلام میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ حد یہ ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں لکھی گئی ہماری کتابوں میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔

تبیین الٰہی

مدعائے قرآنی کو دوٹوک کرنے کے لیے یہ اگلا بندوبست ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ تھا کہ نزول قرآن کے دوران میں قرآن سے متعلق جو بھی سوالات پیدا ہوں گے، اس کی بہ قدر حکمت و ضرورت تبیین کر

---

۱۱ اس بات کی تصریف اس آیت میں ہوئی ہے: 'اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ' (یونس۱۰: ۳۸)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دی جائے گی۔ سورۂ قیامہ آیت جمعِ قرآن ہم نے اوپر قراءت کی بحث میں پیش کی ہے، اس میں یہ وعدہ تھا کہ 'ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَهٗ' (۷۵:۱۹)، یعنی جمع کرنے اور قراءت کرانے کے بعد اگلی ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اس کی توضیح بھی کر دیں گے۔ چنانچہ قرآن میں بہت سے سوالات خواہ وہ پوچھے گئے ہوں یا ذہنوں میں ابھرے ہوں، ان کا جواب دیا گیا ہے۔ ان جوابات کو قرآن میں جگہ جگہ کچھ الفاظ سے نمایاں کر دیا ہے تاکہ ان توضیحی آیات کی نشان دہی ہو جائے۔ مثلاً ان آیات میں 'وَیَسۡئَلُوۡنَکَ' (البقرہ ۲:۲۲۲)، 'وَیَسۡتَفۡتُوۡنَکَ' (النساء ۴:۱۲۷) یا 'کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمۡ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ' (البقرہ ۲:۲۴۲) وغیرہ جیسے الفاظ سے نشان دہی کی گئی ہے کہ یہ آیاتِ تبیین ہیں۔ اس طرح کی آیات میں یا تو کسی فروعی مسئلے کا جواب دیا گیا ہے، جس سے مجمل آیات کی توضیح کی گئی ہے۔ اس عمل سے بھی تردد واحتمال کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

ان توضیحی آیات کو پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ اصلاً فہم آیات میں احتمالات کے رد کے لیے نہیں اتریں۔ بلکہ واضح اور دوٹوک بات سے کچھ فروعی مسائل پیدا ہوئے، بس ان کا جواب دیا گیا ہے۔ جس سے یہ اندازہ لگانا بھی آسان ہو جاتا ہے کہ یہ توضیحات دراصل فہمِ متن سے زیادہ فقہی معاملات سے متعلق تھے۔ ابلاغِ مدعا کا سرے سے کوئی معاملہ قرآن کے سوالات میں زیر بحث ہی نہیں آیا۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اولین سامعین کو فہم مدعا میں کوئی اشکال پیش نہیں آیا تھا۔ یعنی ان کے لیے قرآن دوٹوک اور بالکل واضح تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

محکم اور مفصل آیات

یہ دوہرا اسلوب قرآن کو دلالت میں واضح تر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنایا ہے۔ قرآن مجید میں دو طرح سے بات کی گئی ہے: محکم اور مفصل۔ یعنی کچھ آیات ایجاز کے اسلوب میں ہیں اور کچھ تفصیل و توضیح کے اسلوب میں۔ اس بات کو سورۂ ہود کی پہلی آیت یوں بیان کرتی ہے:

کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ. (۱۱:۱)

''یہ کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں، پھر خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے اُن کی تفصیل کی گئی ہے۔''

یہ کلام کو دلالت میں محکم کرنے کا نہایت عمدہ حل ہے۔ اجمال کی خوبی یہ ہے کہ ایک جملے میں جہانِ معنی پرو دیتے ہیں۔ ایسا کلام یک جنبشِ لب پوری بات سامنے رکھ دیتا ہے۔ ایسے جملوں کو حدیث میں جوامع الکلم کہا گیا ہے۔ یہ کوزے میں دریا کی بندش ہے۔ زیرک اور حکیم آدمی کے لیے یہ کلام خزینے سے کم نہیں ہوتا۔ قرآن نے اس اسلوب

کو بہت برتا ہے۔

تفصیلی کلام بات کو بسیط بنانے کا نام ہے۔اس میں اجمال کے پردے ہٹا کر بات لفظوں میں بیان کر دی جاتی ہے۔اس تفصیل سے وہ لوگ بھی بات کو سمجھ جاتے ہیں، جو جوامع الکلم میں مدعا پانے میں کمزور ہوتے ہیں۔اسی طرح قومی اور علاقائی مزاج اور تربیت بھی اس میں کردار ادا کرتی ہے۔ یہ فرق ہمیں مشرکین مکہ اور یہودِ مدینہ میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔مکی کلام زیادہ تر پہلی صنف کے تحت آتا ہے، جب کہ مدنی کلام تفصیلی کلام کی صنف کے تحت۔

قرآن مجید یوں نہایت حسن وخوبی کے ساتھ دونوں اسالیب کو اختیار کرتا ہے۔اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ سورۂ عصر میں پہلا جملہ یہ کہتا ہے کہ ''زمانہ گواہ ہے کہ انسان خسارے میں ہے، سوائے ان کے جو ایمان لائے''۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانے سے کیا مراد ہے: آخرت یا دنیا؟ اگر آخرت مراد ہے تو دلیل کیسے بنے گی، دوسرے یہ کہ یہ کہنا کہ ـــــ زمانہ گواہ ہے کہ لوگ آخرت میں کامیاب ہوں گے ـــــ موزوں نہیں ہے؟ اگر دنیا مراد ہے تو زمانہ کی گواہی تو اس کے برعکس معلوم ہو رہی ہے کہ اہل ایمان بھی کامیاب ہوتے ہیں اور کفار بھی۔تو پھر آیت کا مطلب کیا ہوا؟ اس کی تفصیل قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر کی گئی ہے۔جس سے بات واضح ہو جاتی ہے۔مثلاً سورۂ ہود کی ذیل کی آیت دیکھیے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَمِنۡ خِزۡىِ يَوۡمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ. وَاَخَذَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ. (۱۱: ۶۶-۶۷)

''جب ہمارا (عذاب کا) فیصلہ آ گیا تو ہم نے صالح کو اور جو لوگ ایمان لائے تھے، انھیں بھی ان کے ساتھ اپنی رحمت کی بنا پر بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچا لیا، بے شک تیرا پروردگار قوی وعزیز ہے۔''

پورے قرآن مجید میں اس طرح کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔تمام مقامات کو پڑھ کر واضح ہوتا ہے کہ رسول کے زمانے میں کافروں پر جو عذاب آتا ہے، اس میں مومنین کو بچا لیا جاتا ہے اور کفار کو عذاب سے مٹا دیا جاتا ہے۔یہاں بھی ان الفاظ پر توجہ دیں: 'نَجَّيۡنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا' ہم نے صالح اور اہل ایمان کو بچا لیا۔یوں 'و العصر' میں کون سا زمانہ مراد ہے اور صرف اہل ایمان کب بچائے جاتے اور صرف کفار کب ہلاک کیے جاتے ہیں، واضح ہو جاتا ہے۔اوپر سیاق وسباق کی سرخی کے تحت بھی ایک مثال اس کی گزری ہے، سورۂ کوثر محکم سورہ ہے اور سورۂ نصر اور سورۂ لہب اسی مضمون کی تفصیل کرتی ہیں۔اجمال وتفصیل کا یہ تعلق بھی تعیین مدعا اور فہم کلام کے لیے ابلاغی ادوات میں سے نہایت موثر ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ نو کے قریب امور ہیں، جو قرآن مجید کو ابلاغ مدعا کے معاملے میں عام کلاموں سے ممتاز کرتے ہیں۔ یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ہر بولنے والا، الفاظ کی دلالت، کلام کی بنت، زبان کے تواتر، سیاق وسباق کی بندش سے کلام کو ابلاغ مدعا میں بلیغ بنتا ہے۔ لیکن قرآن صرف یہی چیزیں استعمال نہیں کرتا، بلکہ وہ ان پر ان مذکورہ بالا چیزوں کا مزید اضافہ کرتے ہوئے اسے 'بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ'[12] (البقرہ۲:۱۸۵) بنا دیتا ہے۔ وہ اپنے مدعا کو اس قدر واضح کر دیتا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے کہ اب رسول کے بعد اس حق کے انکار کی کوئی دلیل وحجت باقی نہیں رہی (النساء۴: ۱۶۵)۔ اسی بنا پر قرآن یہ کہنے میں حق بہ جانب ہے کہ اس کی آیات سے غلط معنی مراد نہیں لیے جا سکتے، بلکہ قرآن میں عمومی کلام والے قرائن اور اس الٰہی اہتمام کے ساتھ جس کا ہم نے ذکر کیا، کلام کو چاروں طرف سے ابلاغ کے ادوات سے لیس کر دیا گیا ہے کہ اب اگر اس کے کلام کو پارہ پارہ کر کے نہ پڑھا جائے، اور 'يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ'[13] نہ کیا جائے تو ناحق تاویل اس کی آیات بینات قبول نہیں کریں گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (فصلت۴۱:۴۲)	''اس میں باطل کا ورود نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ دانا اور خوبیوں والے کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔''

یعنی یوں تو ہر کلام میں یہ خوبی ہے کہ وہ غلط تاویل کو روکتا ہے، لیکن خدائے حکیم وحمید کی ان صفات کا مظہر اس کتاب کا رنگ کچھ اور ہی ہے۔ وہ اس معاملے میں اتنی دوٹوک ہے کہ وہ باطل کو اگل دیتی ہے۔ بقولِ شاعر

این کتابے نیست چیزے دیگر است[14]

---

[12] ہدایت کی دوٹوک آیات اور معیارِ حق وباطل۔

[13] کلام کو اس کے موقع محل سے ہٹا دینا۔

[14] یہ کوئی کتاب نہیں، کوئی اور ہی چیز ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نقطۂ نظر

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

کیسے اللہ والے ہیں یہ اے خدا!

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

[توہین رسالت، مذہب پسندوں کا دوہرا رویہ اور مولانا محمود حسن دیوبندی کی رائے]

کچھ عرصہ قبل پاکستان کی ایک مؤقر دانش گاہ مردان یونیورسٹی میں بڑا اندوہ ناک واقعہ پیش آیا جس نے ہزاروں کو رلا دیا اور رائج مذہبی فکر پر سوال کھڑے کر دیے۔ اس یونیورسٹی کے طلبہ کے ایک مشتعل ہجوم نے اپنے ہی ایک ساتھی کو بڑی بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ پی ایچ ڈی کا طالب علم مشعل خاں ایک گبرو، نڈر اور متفکر نوجوان تھا اور یونیورسٹی انتظامیہ پر اس کی کوتاہیوں کی وجہ سے تنقیدیں کرتا رہتا تھا۔ شان رسالت میں گستاخی کا الزام لگا کر مشتعل ہجوم نے اُسے کمرے سے باہر گھسیٹا، زدوکوب کیا، کپڑے پھاڑے، پھر ایک نوجوان نے اُس نیم جاں کے سر میں تین گولیاں اتاریں۔ اور ایک شقی نے اس کا سر پتھر سے کچل دیا۔ اس کے اعضا کو توڑا گیا، نوچا اور کھسوٹا گیا۔ یہ بے رحم قاتل اُسے نذر آتش کرنے کے درپے تھے کہ کسی نے مشعل کے بے جان لاشے کو ان کے چنگل سے چھڑا کر آگ میں جلانے سے بچالیا۔ ظالموں نے اس ظلم کی ویڈیو بھی بنائی اور انٹرنیٹ پر ڈال دی۔ جب اُس کی میت گاؤں میں لائی

گئی تو مسجد کے جاہل اور فسادی امام نے اعلان کر دیا کہ کوئی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھے کہ وہ مرتد و گستاخِ رسالت تھا۔ یعنی الزام بھی لگایا اور خود ہی فیصلہ بھی سنا دیا!! دوسرے گاؤں سے کچھ لوگ ہمت کر کے آئے تب اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ شہید مشعل کو کیا معلوم تھا کہ بے رحم یونیورسٹی انتظامیہ ماں باپ کے اکلوتے چراغ کو یوں بجھا دینے کی سازش کر ڈالے گی!! بہر حال بڑا افسوس ناک واقعہ ہے جس پر علما میں سے مفتی محمد نعیم، مفتی تقی عثمانی اور کچھ اور لوگوں نے اس واقعہ کی سخت مذمت کی۔ عدلیہ نے اس کا از خود نوٹس لیا اور انتظامیہ بھی دیر سے ہی سہی جاگی مجرم پکڑے بھی گئے، مگر اس کے پیچھے جو مذہبی بیانیہ ہے، اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہا ہے۔

مشعل خاں جیسے المیے پاکستان میں نئے نہیں ہیں۔ اس واقعہ کے حوالہ سے کئی سارے مضامین پڑھنے میں آئے خاص کر ان کے جو مذہب پسند یا اسلام پسند کالم نگار کہے جاتے ہیں۔ بڑا دکھ ہوا کہ اتنا ہول ناک حادثہ ہو گیا، ایک سازش کے تحت توہین رسالت کی افواہ پھیلائی گئی، طلبا کے ہجوم کو اسلام کے اور دین کے نام پر گمراہ کیا گیا اور ایک معصوم جان کو اس وحشیانہ انداز میں بربریت کا نشانہ بنایا گیا کہ ہلاکو اور چنگیز کی روحیں بھی شرما جائیں، مگر ہمارے اسلام پسند حضرات کو آفریں ہو جو یہ کہنے کا گردہ رکھتے ہیں کہ 'ایسے واقعے روز ہی ہوتے رہتے ہیں، کہ فلاں جگہ فلاں حافظ صاحب کو شہید کیا گیا، فلاں واقعہ میں فلاں مدرسہ کے معصوم طلبہ جان سے گئے تب اتنا واویلا نہیں کیا گیا'۔ ایک اور صاحب یوں گویا ہوئے کہ 'جو ہوا برا ہوا، مگر یہ تو ماننا پڑے گا کہ مشعل خاں توہین رسالت کا مرتکب نہیں بھی ہوا ہو، تھا تو وہ لبرل اور آزاد خیال'۔ اس لیے ہمیں نظر رکھنی ہو گی کہ ہماری سوسائٹی کدھر جا رہی ہے؟ بچوں کو تربیت دینی ہو گی ایسا نہ ہو کہ وہ ملحد لبرلوں کے شکار بن جائیں۔ اس واقعہ کے حوالہ سے ایک اور مضمون نگار نے یوں خامہ فرسائی کی کہ آج مذہب پر برا وقت آ گیا ہے اور لبرل فاسقین مسلمات کو چیلنج کر رہے ہیں، اجماعی مسائل زیر بحث لا رہے ہیں، اس سب کو روکنا ہو گا تبھی ملک میں امن آئے گا وغیرہ۔ ایک مشہور مذہبی و سیاسی رہنما نے واقعہ کی حقیقت جانے بغیر تبصرہ فرمایا کہ ''جب تک حکومت اہانت کے کیسوں میں قانون کے مطابق کارروائی نہیں کرے گی ہجوم قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتا رہے گا''۔ (ان تبصروں کے بین السطور میں کیا یہ پیغام چھپا ہوا نہیں ہے کہ لبرلوں اور آزاد خیالوں اور دوسری رائے رکھنے والوں کو جینے کا کوئی حق نہیں، انھیں کچل ڈالو؟)

مشعل خاں کے واقعہ کے کچھ ہی دن بعد ایک دوسرے علاقہ میں شانِ رسالت میں گستاخی کے الزام میں تبلیغی جماعت کے تین معصوم افراد پر بھی فریقِ مخالف کے ایک جوشیلے اور بہکے ہوئے نوجوان نے رات کے اندھیرے میں مسجد کے اندر گھس کر چاقو سے حملہ کیا جس میں ایک فرد تو جاں بحق ہو گیا، باقی شدید زخمی۔ اس طرح کے واقعات کے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بعد پورے معاشرہ میں ایک بیداری پیدا ہونی چاہیے تھی جو بدقسمتی سے نہیں ہوئی۔ حد تو یہ ہے کہ سول سوسائٹی نے بھی اپنے اطوار نہیں بدلے عامر لیاقت حسین اور اوریا مقبول جان نے لفظوں سے کھیلنے اور مذہب کے غلط استعمال میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حال ہی میں جس طرح مولوی خادم حسین رضوی نے قانون توہین رسالت سے متعلق حکومت کی ایک غلطی (جسے درست کر لیا گیا) کو بنیاد بنا کر ۲۱ دن کا دھرنا دیا، اس کے خلاف پولیس ایکشن کی ناکامی اور اس پر فوج نے حکومت کا کہنا نہ مان کر جس طرح دھرنے والوں میں رقمیں بانٹیں اور دنیا بھر میں پاکستان کی جگ ہنسائی کروائی، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ اپنی مذہبی انتہا پسندی سے باز آنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس حوالہ سے دھرنے اور عظمت رسالت کانفرنسیں ہو رہی ہیں، معاشرہ میں مذہبی جنونیت بڑھتی ہی جا رہی ہے، وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو مذہبی بیانیہ ہے، اس پر نظر ثانی کے لیے کوئی تیار نہیں جس کی جانب محترم جناب جاوید احمد غامدی بہت دنوں سے قوم کو متوجہ کر رہے ہیں۔

ہمارا مذہبی طبقہ اس سلسلہ میں کس طرح کے دو معیار رکھتا ہے، اس پہلو سے چند باتیں قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

قانون توہین رسالت کے ذیل میں خاص کر تین چیزیں بیان کی جاتی ہیں: خداتعالیٰ کی جناب میں گستاخی، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے پیغمبر کی شان میں گستاخی اور قرآن پاک کے بارے میں کوئی نازیبا بیان۔ ہمارے مذہبی جوشیلے ذرا ان تینوں کے حوالہ سے اپنے مذہبی، علمی و ادبی تاریخی سرمایہ پر سرسری سی نظر ہی ڈال لیں، ایسی کتنی ہی چیزیں اہل تصوف و ارباب باطن کے ہاں نظر آ جائیں گی جن کو بڑی آسانی سے توہین رسالت کے زمرہ میں لایا جا سکتا ہے۔

اہل تصوف کو ہمارا مذہبی طبقہ جدید اہل حدیث کو مستثنیٰ کر کے، ارباب ذوق، اصحاب مواجید، عارفین باللہ وغیرہ جیسے بلند الفاظ اور احترام سے لبریز آداب والقاب سے یاد کرتا ہے۔ عالم اسلام میں اکثر مسلمان اِن حضرات اور ان سے منسوب سلاسل اور آستانوں سے عقیدت رکھتے ہیں اور برصغیر میں تو کیا دیوبندی کیا بریلوی تھوڑے ہی مسلمان ہوں گے جنھوں نے ان کی عقیدت کا قلادہ اپنی گردنوں میں نہیں ڈال رکھا ہوگا۔ ان حضرات سے عقیدت کے معاملہ میں لبرل و آزاد خیال افراد بھی مذہبیوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ بلکہ رندمشربی، آزادخیالی اور صلح کلیت کی سوچ کا تو مرجع ہی یہی حضرات متصوفین اور ان کی زندگیاں ہیں۔ تاہم اِن حضرات کے ملفوظات، احوال وکشوف میں بہت کچھ ایسا ہے (اگر اس کی تاویل و توجیہ نہ کی جائے) جو گستاخانہ مواد سے بھی آگے کی چیز ہے۔ مگر اس گستاخانہ مواد سے آسانی

سے صرف نظر کر جانے والے مریدین جو سلمان تاثیر اور مشعل خاں جیسوں کے لیے شمشیر براں بن جاتے ہیں، ذرا اپنے ان بزرگوں کے ہاں بھی جھانک کر دیکھ لیں۔ہم مسلمان عموماً متصوفین کو قدس اللہ اسراہم اور قدس سرہم العزیز کہتے نہیں تھکتے اور ان کے کلام میں پائے جانے والے شرک جلی وخفی اور اہانت آمیز مواد کی بڑی آسانی سے توجیہ کر لیتے اور ان کو شطحیات کے خانہ میں ڈال کر تاویل کر لیتے ہیں۔تو سوال یہ ہے کہ مذہبیت، تصوف اور فقہ باطن کے پردہ میں آپ کے لیے ہر چیز جائز ہے اور لبرلوں اور اپنے سے اختلاف کرنے والوں کی گردنیں آپ بغیر کسی تحقیق کے بس الزام کی بنیاد پر ناپ دیتے ہیں۔اس دوغلے رویہ کو کیا نام دیا جائے؟

''اولیا'' کے ملفوظات واقوال میں اِس قسم کے جملے اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو لکھا جائے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں گے، مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند اقوال قارئین ملاحظہ کر لیں۔(یہ جملے ہم نے مولانا کبیر الدین فوزان قاسمی کے رسالہ فکر اسلامی کی تشکیل جدید سے لیے ہیں)

مولانا روم (۶۷۳ھ) کے مطابق پیر اور ذات باری تعالیٰ برابر ہیں، وہ کہتے ہیں:

پیر کامل صورت ظلِ علا — یعنی دید پیر دید کبریا

ہر کہ پیر و ذات رایکجا ندید — نے مرید و نے مرید و نے مرید

''پیر اللہ کے سایہ کی صورت ہے اور پیر کو دیکھنا خود ذات کبریا کو دیکھنا ہے۔جو مرید پیر اور ذات باری کو 'ایک' نہ دیکھے وہ مرید ہی نہیں مرید ہی نہیں مرید ہی نہیں۔''

یہیں سے تصورِ شیخ کا مشرکانہ نظریہ پیدا ہوتا ہے۔مگر یہ ذات باری تعالیٰ کی جناب میں گستاخی نہیں!

امام غزالی کے نزدیک عوام کی توحید لا الٰہ الا اللہ ہے اور خواص کی توحید لا موجود الا اللہ۔غور فرمائیے کہ اِس سے عقیدۂ توحید پر کس طرح ضرب پڑتی ہے۔کتنی ہی آیات کریمہ وحدیثوں کا خون ہوتا ہے! مگر غزالی پھر بھی شیخ الاسلام ہیں؟ ابو الحسن خرقانی (م ۴۲۵ھ) نے دعویٰ کیا کہ ''میں خدا سے دو سال چھوٹا ہوں'' ایک بار جلال آیا تو فرمایا: ''میں ہی مصطفائے زمانہ اور خدائے وقت'' ہوں۔بایزید بسطامی (۲۶۰ھ) نے تو اپنا خیمہ ''عرش کے بالکل بالمقابل اور قریب لگا دیا تھا۔'' وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: 'سبحاني ما أعظم شأني' (یعنی میں خدا ہوں میری شان کتنی بلند ہے) یہی جملہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے منقول ہے جن سے تمام اکابرِ دیو بند ارادت کی نسبت رکھتے ہیں۔

صوفیا کے امام اکبر، وحدۃ الوجود کے پہلے فلسفی، مبلغ اور داعی ابن العربی (۶۳۸ھ) ابلیس کو مؤحد اعظم مانتے تھے پھر بھی شیخ اکبر ہی رہے اور ان کے ماننے والے سلمان تاثیر اور مشعل خاں کا جنازہ پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کیوں؟ کیا اوریا مقبول جان جواب دیں گے؟ قرآن کے بارے میں مولانا رومی (۶۷۳ھ) فرماتے ہیں:

من زقرآن مغز را برداشتم　　استخواں راپیشِ سگاں انداختم

''میں نے قرآن سے اس کا مغز نکال کر ہڈیاں کتوں کے آگے پھینک دی ہیں۔''

حالاں کہ خود رومی کی مثنوی کا ارباب تصوف کے ہاں کیا مقام ہے، وہ اس جملہ سے پتا چلتا ہے:

مثنوی　مولوی　معنوی　　ہست قرآن درزبان پہلوی

''مثنوی مولانائے روم فارسی زبان میں قرآن ہے۔''

مثنوی کے پڑھنے کے لیے قراءت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ چودھویں صدی کے ایک بڑے صوفی شیخ فضل رحمان گنج مرادآبادی نے ایک مرید سے کہا: ''مثنوی معنوی بہت پڑھا کرو (اس کو محض لفظاً پڑھنے سے) تین سو آدمی قطب ابدال ہو گئے ہیں''۔

جامع السلاسل شیخ جنید بغدادی (۲۹۸ھ) فرماتے ہیں: ''آدم نے حضور الٰہی کو ایک لقمہ کے عوض بیچ دیا، موسیٰ نے دیدار کرنا چاہا، لیکن میں نے دیدارِ الٰہی کی تمنا نہیں کی، بلکہ خود خدا نے چاہا کہ مجھے دیکھے، خدا کی قسم قیامت میں میرا جھنڈا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہوگا، اس کے نیچے تمام جن وانس اور انبیاء ہوں گے''۔ کیا اس جملہ میں صریح توہین رسالت نہیں ہے؟ جو علماے دیوبند، علماے بریلی اور دوسرے فرقوں و جماعتوں کے علما وا کابر صوفی اماموں کی ان ہفوات پر یقین رکھتے ہیں اور ان کی تاویل کرتے ہیں، وہ کس منہ سے سلمان تاثیر اور اہانت کے دوسرے مزعومہ ملزمین کا خون مانگتے ہیں؟ کیا مولوی خادم حسین رضوی کے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

صوفی شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر بلایا وہ وہاں سے واپس آ گئے، خدا کی قسم میں اگر معراج پر گیا ہوتا تو کبھی واپس نہ آتا'' (مفہوم) یہ مقولہ علامہ اقبال نے اپنے خطبات ''Reconstruction of religious thought in Islam'' میں بھی نقل کیا ہے، بلکہ ایک خطبہ کی ابتدا اسی سے کی ہے اور اس کو نبوت اور صوفیانہ واردات میں فرق کی توجیہ کے لیے دلیل قرار دیا ہے۔ عام طور پر توجیہ کی جاتی ہے کہ صوفیا کی روحانی واردات ماورائے کلام ہے، اس کا تجربہ ممکن ہے لیکن بیان ممکن نہیں اور جب کوئی صوفی مغلوب الحال ہو کر اُسے بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس سے بیان میں غلطی ہو جاتی ہے۔ جو حسنِ توجیہ یہاں کام میں لائی گئی کیا غیر صوفیا کے لیے نہیں لائی جا سکتی؟ کیا تاج دار ختم نبوت لوگوں کا دل چیر کر دیکھ لیتے ہیں؟

ہمیں مذکورہ بزرگوں سے نہ کوئی چڑ ہے نہ پرخاش اور نفرت۔ یہ سارے بزرگ کب کے اللہ کو پیارے ہو چکے۔

ہمارا مدعا یہ ہے کہ ان بزرگوں کے مریدین میں امت مسلمہ کی بہت بڑی تعداد شامل ہے۔ اب یہ کیسا تضاد فکر و عمل ہے کہ اپنے بڑوں، بزرگوں اور مرشدوں کے سات خون معاف، ان کے لیے ساری تاویلیں تیار، نہ ادب و احترام میں کوئی کمی! اور جو لوگ مذہب کی رائج الوقت تعبیروں سے اتفاق نہیں رکھتے یا ان سے مطمئن نہیں، ان کے خلاف عوام کالانعام کو اکسا دیا جائے! مذہب پسندوں کے اس دوہرے رویہ اور ڈبل اسٹینڈرڈ کا کیا جواز ہے؟ ایک کے لیے تاویل اور حسن ظن تو دوسرے کے لیے کیوں نہیں؟ یہ حضرات مریدین سے 'اشرف رسول اللہ' اور 'چشتی رسول اللہ' کا کلمہ تک پڑھوا لیں، لیکن ان کے دین و ایمان پر کوئی فرق نہ پڑے اور دوسرا مذہبی عالم و مفکر رائج مذہبی فکر پر کوئی سوال اٹھا دے تو ہمارے دارالافتا اس کو سیدھے سیدھے ملحد و کافر قرار دے دیں!

ممتاز قادری کی سزا کے بعد ''دلیل'' کے ایک کالم نگار نے کہا کہ اس کو شہادت کا درجہ دینے کا مطالبہ عوام کر رہے ہیں اور جمہوریت میں حکومتوں کا کام عوام کی بات ماننا ہوتا ہے، ہم نے ان کے جواب میں عرض کیا کہ یہ جمہوریت نہیں یہ تو Mobocracy ہے جو جمہوریت کے پردہ میں ہر جگہ حاوی ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی اقتدار پر وہ ٹولہ مسلط ہو چکا ہے جو جمہوریت میں نہیں موبوکریسی میں یقین رکھتا ہے اور بدقسمتی سے اب یورپ اور امریکا میں بھی کچھ اسی طرح کا منظر نامہ بنتا دکھائی دے رہا ہے۔

بہرحال ہمارا سوال اہانت رسول کے حوالے سے یہ ہے کہ اِس قانون کے علم بردار، محافظ اور حمایتی علما و مفتیین، صحافی اور کالم نگار حضرات کیا مذکورہ بزرگوں کے نقل کیے گئے مقولوں اور ملفوظات کو Disown کرنے کی اخلاقی جرأت کریں گے؟ اوریا مقبول جان، ڈاکٹر محمد امین اور مولوی خادم حسین رضوی صاحبان کیا خیال ہے؟

بات جب توہین رسالت کی آتی ہے تو بڑے بڑے اس میں اپنی عقل و فکر کو بڑی آسانی سے طاق پر رکھنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جیسے کہ غازی علم دین کی موت پر اقبال نے کہا ''ترکھان کا بیٹا بازی لے گیا''۔ ایک عام دلیل اور منطق یہ دی جاتی ہے کہ برصغیر کی ملت اسلامیہ اِس معاملہ میں بہت زیادہ حساس ہے اور اس حساسیت کا اظہار توہین رسالت کے قانون کے تقدس سے ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں علما، دانش ور، صحافی اور عوامی لیڈر سب ایک ہی پیج پر ہیں۔ گویا سب نے مان لیا ہے کہ یہ معاملہ ایسا ہے جس میں کسی دلیل، کسی منطق اور کسی شرعی استدلال کی سِرے سے ضرورت ہی نہیں۔ حالاں کہ یہ ذہنیت اسلامی نہیں نہ قرآن یا سنت اس کی آب یاری کرتے ہیں۔ یہی بات تو ہمارے ملک ہندوستان میں ہندو وفرقہ پرست قوتیں کرتی ہیں۔ جن کا کہنا ہے کہ دھرم کا معاملہ آستھا کا معاملہ ہے، اس میں کسی دلیل اور Reason کا دخل نہیں ہوتا، یہاں تک کہ عدالت کو بھی دھرم کے کسی معاملہ میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اگر برصغیر کے مسلمانوں میں اتنی شدید حساسیت پائی جاتی ہے تو اس کی جڑ قرآن میں نہیں، بلکہ ''با خدا دیوانہ باشی با محمد ہوشیار'' جیسے صوفیانہ مقولوں میں ہے۔ اس ذہنیت کی اصلاح معاشرہ کے باشعور لوگوں کو کرنی چاہیے تھی، ان لوگوں کو کرنی چاہیے تھی جو اپنے آپ کو تحریکی فکر کا علم بردار کہتے ہیں۔ مگر یہاں تو گنگا ہی الٹی بہ رہی ہے۔ پاکستان کے امیر جماعت اسلامی ممتاز قادری کے بیٹے کو اسٹیج پر بٹھا کر عوامی ریلیاں کرتے رہے، گرچہ اس کا ان کو فائدہ نہیں ملا اور نوزائیدہ تحریک لبیک کے منہ پھٹ، بلکہ دشنام طرازی میں ملکہ رکھنے والے ایک چھوٹے سے مولوی نے حکومت کی غلطیوں کو کیش کر کے مولوی سے علامہ اور پھر سیاسی قائد تک کا سفر ایک ہی جست میں طے کر لیا۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان توہین رسالت کے نام پر جو مرنے مارنے پر اتنی آسانی سے آمادہ ہو جاتے ہیں، کیا اس کا منشافی الواقع حبِ رسول کی شدت ہے یا کچھ اور ہی اس نفرت کی تہ میں چھپا ہوا ہے؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مناسبت سے اہل دیوبند کی ایک بڑی شخصیت اور اکابر علما کے شیخ مولانا محمود الحسن دیوبندی کی تشخیص قارئین کے سامنے لائی جائے۔ اپنے شاگرد مولانا مناظر احسن گیلانی (م ۱۹۵۶ء) کے اسی سوال کے جواب میں مولانا محمود نے فرمایا کہ توہین رسالت کے واقعات پر مسلمانوں کا پُرتشدد ردعمل کسی واقعی حبِ رسول پر مبنی نہیں، بلکہ وہ اس لیے بھڑکتے ہیں کہ اس سے دراصل ان کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ مولانا گیلانی نے یہ واقعہ اپنی ایک کتاب میں نقل کیا ہے، قصہ یوں ہے: ایک دن اس حدیث پر گفتگو کے ذیل میں کہ: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے رشتہ دار، اپنے مال و دولت اور دوسرے تمام لوگوں سے محبت کرنے والا نہ ہو'' (مسلم جلد اول بشرح النووی ص ۲۹۰) شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے فرمایا کہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی مرضی کے آگے سب کچھ قربان کر دیا جائے لیکن مسلمان ایسا نہیں کرتے'' گیلانی کہتے ہیں: فقیر نے عرض کیا کہ بحمد اللہ عام مسلمان بھی سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی اس دولت سے سرفراز ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ماں باپ کی توہین کو تو ایک حد تک مسلمان برداشت کر لیتا ہے، زیادہ سے زیادہ گالیوں کے جواب میں وہ بھی گالیوں پر اتر آتا ہے، لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلکی سبکی (اہانت) بھی مسلمانوں کو اس حد تک مشتعل کر دیتی ہے کہ ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ لوگ جان پر کھیل گئے۔ سن کر حضرت نے فرمایا کہ ہوتا بے شک یہی ہے جو تم نے کہا، لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟ تہ تک تمھاری نظر نہیں پہنچی۔ محبت کا اقتضا یہ ہے کہ محبوب کی مرضی کے آگے ہر چیز قربان کی جائے۔ لیکن عام مسلمانوں کا جو برتاؤ آں حضرت کی مرضی مبارک کے ساتھ ہے، وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ پیغمبر نے ہم سے کیا چاہا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں، اس سے کون ناواقف

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہے۔ پھر سبکی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت بن جاتی ہے، اس کی وجہ محبت تو نہیں ہو سکتی۔ خاک سار نے عرض کیا تو آپ ہی بتائیں اس کی وجہ کیا ہے؟ نفسیات انسانی کے اس مبصر حاذق نے فرمایا کہ سوچو گے تو درحقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سبکی میں اپنی سبکی کا غیر شعوری احساس پوشیدہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی خودی اور انانیت مجروح ہوتی ہے (کہ) ہم جسے اپنا پیغمبر اور رسول مانتے ہیں تم اس کی اہانت نہیں کر سکتے۔ چوٹ دراصل اپنی اس ''ہم'' پر پڑتی ہے۔ لیکن مغالطہ ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے ان کو انتقام پر آمادہ کیا ہے۔ نفس کا یہ دھوکا ہے۔ اپنی جگہ ٹھنڈے دل سے جو غور کرے گا، اپنے طرز عمل کے تناقض کے اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے۔ بہرحال محبوب کی مرضی کی جسے پروا نہ ہو، اذان ہو رہی ہے اور لایعنی اور لاحاصل گپوں سے بھی جو اپنے آپ کو جدا کر کے مؤذن کی پکار پر نہیں دوڑتا، اُسے انصاف سے کام لینا چاہیے کہ محبت کا دعویٰ اس کے منہ پر کس حد تک پھبتا ہے''۔ (مناظر احسن گیلانی: احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن ص ۱۵۴-۱۵۵ مکتبہ طیبہ، دیو بند ۱۴۱۶ھ)

رسرچ ایسوسی ایٹ مرکز برائے فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

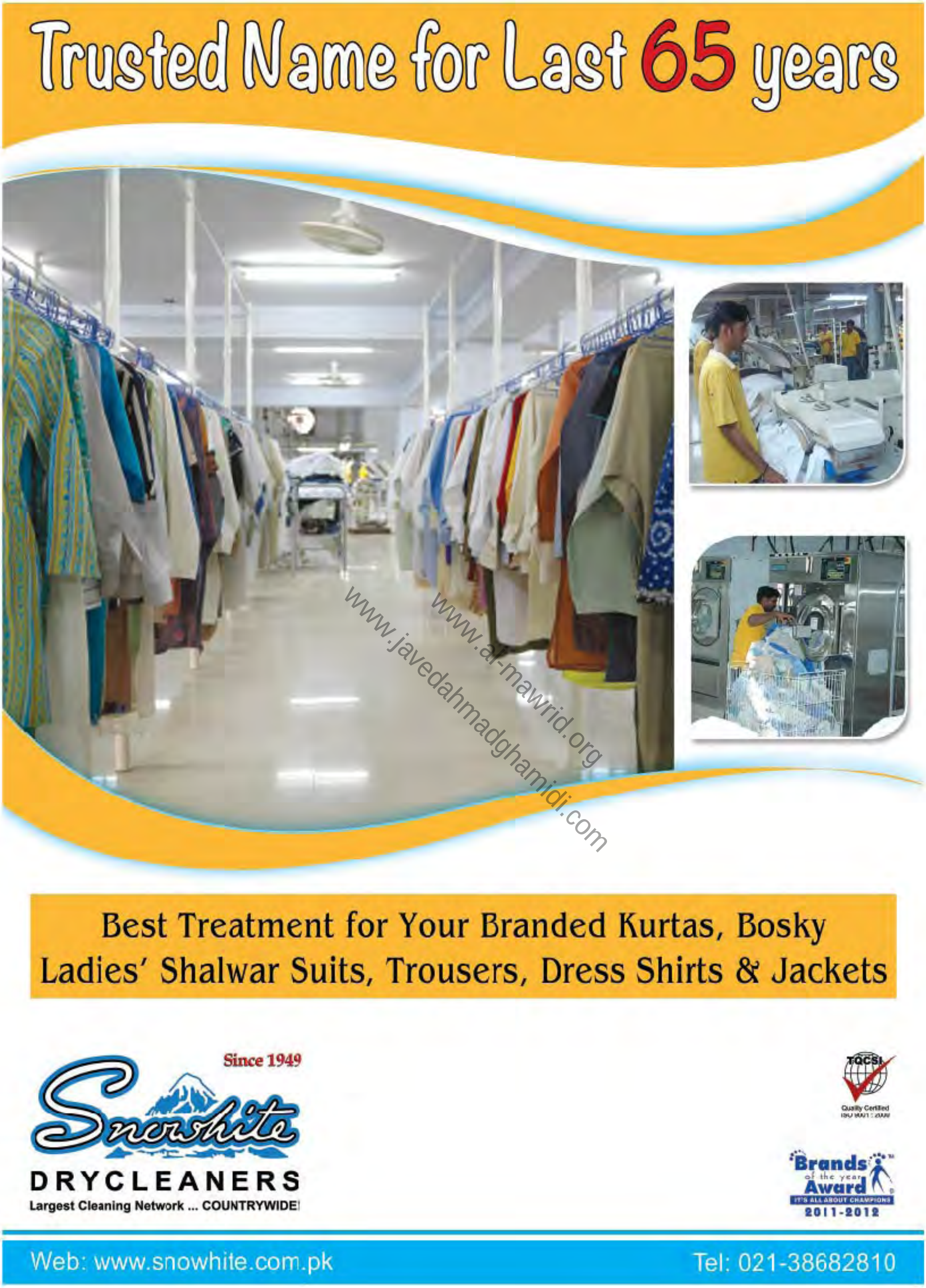

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

Monthly
ISHRAQ
Lahore

April 2018
Vol.30 No.4
Regd. No. CPL- 183

Publisher : javed Ahmad Ghamidi printers : Qaumi Press, 50 Lower Mall Lahore